بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جمادالاولیٰ ۱۴۳۶ھ | مارچ ۲۰۱۵ء

جلد نمبر ۳۹ شمارہ ۳

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر —— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	علامہ یٰسٓ اختر مصباحی کی گرفتاری اور رہائی	مبارک حسین مصباحی	(۳)
	تحقیقات		
علمی تحقیقی	معرفتِ نفس اور معرفتِ الٰہی	مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی	(۷)
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں....؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	(۱۰)
	نظریات		
فکر امروز	قومیت اور بین الاقوامیت کا تصور اسلام کی نظر میں	ڈاکٹر ظہور احمد دانش	(۱۲)
	اسلامیات		
شعاعیں	اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق	ڈاکٹر جاوید احمد خان	(۱۶)
جہانِ تصوف	التصوف بین الافراط والتفریط	محمد ساجد رضا مصباحی	(۱۸)
	عزیزیات		
انوارِ حیات	حافظِ ملت، خدمات، اثرات اور علمی فتوحات	محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی	(۲۲)
سرگذشت	بھوج پور سے مبارک پور تک کا مبارک سفر	ثناء اللہ اطہر مصباحی	(۲۷)
فروغِ علم	حافظ ملت کی تعلیمی مساعی	محمد عارف حسین مصباحی	(۳۲)
	شخصیات		
ماضی اور حال	تاریخ ساز فیصلہ	مفتی محمد سلیم بریلوی	(۳۵)
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	فیس بک اور واٹس ایپ کا استعمال	خالد ایوب مصباحی/محمد عابد چشتی	(۳۹)
	ادبیات		
گوشۂ ادب	تفسیر نعیمی کے تعلق سے ایک الجھن کا حل	محمد آصف اقبال	(۴۶)
نقد و نظر	نورِ ایمان/ اصولِ افتا	مبصر: محمد طفیل احمد مصباحی	(۴۸)
خیابان حرم	مناقبِ حافظِ ملت	تحسین عالم رضوی/مطیع اللہ اعظمی/غیاث الدین احمد مصباحی	(۴۹)
	وفیات		
سفرِ آخرت	مولانا مسعود احمد برکاتی کی والدہ کی رحلت/ مولانا نذیر احمد نوری پورنوی کا انتقال		(۵۰)
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	محمد شعیب احمد مصباحی/محمد طاہر حسین مصباحی/شبیر عالم مصباحی/عرفان احمد فلاحی/ ڈاکٹر ظہور احمد دانش/ قاری نور الہدیٰ مصباحی		(۵۱)
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	رام پور میں دادا میاں کے مزار کا انہدام/ اوڈیشا میں اسٹیٹ مائنارٹی کمیشن کا مطالبہ/ جامعہ اشرفیہ میں مقابلۂ قراءت/ لیش بھارتی ایوارڈ دیے جانے پر بیکل اتساہی کو مبارک باد/ آل ممبئی تحریری وتقریری مقابلہ		(۵۴)

اداریہ

بین الاقوامی شہرت یافتہ عالمِ دین

مولانا یٰسٓ اختر مصباحی کی گرفتاری اور رہائی

ان کی پرزور حمایت کی گئی۔ خانقاہوں، مدرسوں، یونیورسٹیز، مدارس، اہم شخصیات اور میڈیا نے حق و انصاف کی آواز بلند کرنے میں ایک مثال قائم کی

مبارک حسین مصباحی

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس میں ہر انسان کو اپنے دین و مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے اور اپنی پسند کے ساتھ اپنے مذہبی اصولوں پر عمل کرنے کا حق کسی کی خیرات نہیں، بلکہ یہ اس کا قانونی حق ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ مسلم حکمرانوں نے اس غیر منقسم ہندوستان پر صدیوں حکومت کی اور اپنے دَورِ حکومت میں عدل و انصاف کی تاریخی مثالیں پیش کیں۔ اپنے عہدِ حکومت میں مسلم حکمراں اتنے مضبوط تھے کہ اگر وہ چاہتے تو اپنی طاقت سے اہلِ ہند کی سوچوں کا قبلہ درست کر سکتے تھے۔ مگر انھوں نے دین و مذہب کی تبدیلی کے حوالے سے کبھی طاقت اور تلوار کا استعمال نہیں کیا، یہ بھی ایک تاریخ ہے کہ جب حکمرانوں نے اپنی منصبی ذمہ داریوں سے کوتاہیاں برتیں تو ہندوستان پر انگریزوں نے تسلط حاصل کیا اور پھر جب ان سے ملک کی آزادی کی جنگیں لڑی گئیں تو ان میں مسلم اور ہندو وغیرہ سب شریک تھے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء میں علمائے کرام اور مسلم سیاست داں ہی پیش پیش تھے۔ اس موقع پر اہلِ ہند کو سخت ناکامی ہوئی، مجاہدینِ وطن کو قتل و غارت گری، قید و بند اور وطن چھوڑنے تک کی واردات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک خون کے آنسو رُلا دینے والی افسوس ناک کہانی ہے، سرِ دست اس کی تفصیل سے ہم گریز کرتے ہیں۔

ہندوستان آزاد ہوا، تقسیم در تقسیم کے دَور سے گزرا، وہ قومیں جنھوں نے شانہ بشانہ انگریزوں کے خلاف جنگ میں کامیابی حاصل کی، آزادی کے بعد اب باہم مسلسل دست و گریباں ہیں، مسلمانوں کو نشانہ بنانے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم نریندر مودی ہیں، ان کے دورِ حکومت میں بھی وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو اقلیتوں کے لیے شہد کم اور زہرِ قاتل زیادہ ہے، اگرچہ دہلی کے موجودہ الیکشن میں انھیں منہ کی کھانی پڑی، کانگریس اور دیگر پارٹیوں کا کھاتا بھی نہیں کھلا، جب کہ ”عاپ“ نے اس الیکشن میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

مقامِ افسوس یہ ہے کہ اس وقت ہندوستانی جیلوں میں مسلمانوں کی تعداد اپنے وجود کے حساب سے بھی بہت زائد ہے، اس قانونی دہشت گردی کے نتیجے میں نہ جانے کتنے مسلم قبیلے تباہ و برباد ہوئے۔ گھر واپسی کے پروگرام میں بھی مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوئی مگر مودی جی اس معاملے میں مکمل خاموش رہے۔ اسی دوران ۲۶/ جنوری ۲۰۱۵ء کو امریکی وزیر اعظم مسٹر اوباما انڈیا آئے اور مرکزی حکومت کو انتہائی سنجیدگی سے کھری کھوٹی سنا کر چلے گئے۔

قریب ۳۰/ برس پہلے ذاکر نگر دہلی میں دار القلم کے نام سے وسیع زمین پر ایک عظیم ادارے کی بنیاد پڑی۔ اس ادارے کے بانی و صدر بین الاقوامی شہرت یافتہ عالمِ دین حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی ہیں۔ آپ ایک عظیم قلم کار ہیں، تقریباً پچاس کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے دہلی آنے سے پہلے ہندوستان کی عظیم ترین درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ آپ بلند اخلاق، وسیع ذہن اور آفاقی فکر کے حامل ہیں۔ ہند و بیرون ہند مشاہیر شخصیات سے آپ کے روابط بھی کثیر ہیں۔ آپ جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں، بھرپور لکھتے ہیں اور بڑی حد تک اس موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں۔

حضرت مولانا یٰسٓ اختر مصباحی کی گرفتاری

۲۱/ جنوری ۲۰۱۵ء کو نمازِ ظہر سے قبل جامعہ نگر کے تھانے سے دو کانسٹیبل پولیس والے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت سے انھوں نے کہا آپ

ہمارے ساتھ جامعہ نگر تھانے چلیں۔ ایس. ایچ. او. آپ سے کچھ ضروری باتیں کریں گے۔ اساتذہ اور کمیٹی سے مشورہ ہوا تو انھوں نے صاف کہا کہ حضرت تھانے نہیں جائیں گے، پولیس والوں نے کہا کہ آپ کو تھانے چلنا ہوگا، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ دس بیس لوگوں کے ساتھ آجائیں۔ علامہ لیٰسین اختر مصباحی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔

”ہم چند لوگوں کے ساتھ تھانے پہنچے جہاں پہلے سے بہت سے ہمارے لوگ موجود تھے لیکن موقع پر موجود ساؤتھ دہلی کے ایس پی انل کمار نے کہا کہ آپ تین آدمی منتخب کر لیں، لودھی روڈ آئی بی کے فتر چلنا ہے، جہاں اس کے افسران چند ضروری باتیں آپ سے پوچھیں گے، پھر اوکھلا کے تھانے دار صاحب نے کہا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہمارے لوگ بھی آپ کے ساتھ رہیں گے اور چند گھنٹے بعد آپ کو واپس کر دیا جائے گا۔ اس پر ہمارے لوگوں اور ان پولیس والوں نے بھی اعتراض کیا کہ یہ بات پہلے بتانا چاہیے تھی کہ پوچھ تاچھ دوسری جگہ ہوگی، پھر اس پردہ پوشی پر سب نے احتجاج کیا تو ایس پی نے سب کو کمرے سے دھکا دے کر نکالنا شروع کیا اور دھمکیاں دیتا رہا کہ سب کو اندر کر دوں گا۔ پھر باہر ایک سفید گاڑی میں (۴/ بجے شام) ہمیں زبردستی بٹھایا گیا۔ اس قت ہم بھی فیصلہ نہ کر سکے کہ اپنے حامیوں کی بات مان کر گاڑی میں نہ بیٹھوں یا تھانے دار کی اطمینان بخش یقین دہانی پر بھروسا کر کے ساتھ ہو جاؤں کہ گاڑی آگے بڑھ چکی اور لودھی روڈ آئی بی کے دفتر پہنچے۔ وہاں ہماری ذات، گھر خاندان، دار القلم، قادری مسجد، اساتذہ و طلبہ، ملازمین، ادارے اور ہمارے ذرائع آمدنی اور بیرون ممالک علما و مشائخ، ارباب فکر و قلم سے روابط و تعلقات اور فون پر گفتگو کے بارے میں پوچھا گیا۔ یہ بھی پوچھا گیا کہ پاکستان سے کن کن حضرات سے کس طرح کے تعلقات ہیں۔ ہم نے صاف صاف بتا دیا کہ ہماری آمدنی کا کیا ذریعہ ہے، اور ہمارے اساتذہ و طلبہ کے اخراجات قوم کے چندے سے پورے ہوتے ہیں اور پاکستان کے علما و مشائخ سے ہمارے تعلقات محض دینی اور علمی ہیں۔ ہم مذہبی مضمون نگار ہیں، معروف مصنف و رائٹر ہیں اور ہماری تحریروں کے مداح دوسرے ممالک کی طرح پاکستان میں بھی ہیں اور جن سے ہماری بات ہوتی ہے اور تعلقات ہیں، وہ صرف لکھنے پڑھنے، دین و سنیت اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے سے متعلق ہیں، اور کسی طرح کا کوئی تعلق ہمارا کسی سے نہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ اپنے بارے میں اپنے گھر خاندان، اپنے ادارہ اور اساتذہ کے بارے میں بتایا ہے، سب کچھ آپ لوگ جانتے ہیں اور نہیں جانتے ہیں تو جان لیں کہ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ہمارے ادارہ دار القلم میں یا پھر اوکھلا تھانے میں بھی آپ لوگ معلوم کر سکتے تھے، لیکن یہاں لے آئے، یہ بات اوکھلا کے مسلمانوں اور ہمارے حامیوں کو اس لیے بری لگی کہ اس کے بارے میں پہلے بتایا نہیں گیا تھا۔ بہر کیف آئی بی والوں نے شام ۷/ بجے ہمیں اور ہمارے ساتھ گئے مولانا امجد رضا علیمی کو دار القلم قادری مسجد چھوڑ دیا۔“

نماز مغرب کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں عجیب و غریب قسم کی باتیں مشہور ہوگئیں۔ ہم نے کہا کہ آج ہی صبح حضرت سے ہماری تفصیلی گفتگو ہوئی تھی، حضرت نے حسب معمول گفتگو فرمائی تھی۔ ان سب باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اسی وقت ہم نے حضرت کو فون لگایا اور حضرت نے ریسیو کیا۔ خیریت دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا، ہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، میں بخیر و عافیت ہوں۔ یہ سن کر ہم نے فون بند کر دیا، اس کے بعد پھر مختلف مقامات سے فون آنے لگے، ہمیں پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم نے خیریت دریافت کر کے فون بند کر دیا تھا، اگر ہم مزید گفتگو کرتے تو شاید حضرت اپنی تمام بات بتاتے۔ اس کے بعد ہم نے حضرت کو پھر فون لگایا، مگر حضرت کا موبائل بند ہو چکا تھا۔ اس کے بعد کنز الایمان دہلی کے مدیر اعلیٰ مولانا ظفر الدین برکاتی کو فون لگایا تو انھوں نے گرفتاری کی مذکورہ تفصیل بتائی اور کہا کہ اچھا ہوا آپ کا فون آگیا، میں اس مہم سے ابھی دار القلم پہنچا ہوں۔

۲۲/ جنوری کو حضرت سے ہماری گفتگو ہوئی، حضرت نے تفصیل سے بتایا کہ آئی بی والوں نے کیوں بلایا اور کیوں گفتگو کی۔ یہ تو ایک معمہ ہے تاہم یہ ایک سچائی ہے کہ جامعہ نگر سے شاہین باغ تک دہلی پولیس اور آئی بی کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ گھنٹوں تک روڈ جام رہا، اس میں صرف اہل سنت نہیں بلکہ تمام مکاتب فکر کی مسجدوں سے اعلان ہو گیا کہ قادری مسجد کے بڑے مولانا صاحب کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے، اس لیے تمام لوگ جامعہ نگر تھانے پہنچ کر احتجاج میں شریک ہوں اور جب تک انھیں باعزت چھوڑا نہ جائے آپ لوگ اپنا احتجاج جاری رکھیں۔ علامہ مصباحی صاحب نے اپنی گفتگو میں مزید فرمایا، نہ صرف دہلی بلکہ ملک بھر کی تحریکوں اور اداروں کے ذمہ داروں نے مسلسل فون پر رابطہ قائم رکھا ہے، بلکہ بڑے بڑے اہم لوگ دار القلم آرہے ہیں اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلا رہے ہیں۔ ہم نے علامہ صاحب سے اس کے پس منظر پر بھی

گفتگو کی مگر حضرت نے کہا کہ اس سلسلے میں ابھی کوئی حتمی بات کرنا صرف قیاس اور اندازہ ہی ہو سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں، مگر سچی بات یہ ہے کہ کسی رُخ پر یقینی اور فیصلہ کن بات نہیں کی جا سکتی۔ اب تک جو باتیں سامنے آئی ہیں، انھیں ذیل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱)- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۲۶/ جنوری کو امریکی صدر کی آمد کے پیشِ نظر احتیاطی تدبیر ہو۔

(۲)- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ علامہ نے جہاد اور امریکہ کے تعلق سے بہت سی تحریریں لکھی ہیں، اسی بنیاد پر احتیاطی قدم ہو۔

(۳) ہندوستان میں غیر مسلم متعصب تنظیموں کی جانب سے مسلمانوں کے تعلق سے جو کچھ ہو رہا ہے، یہ بھی اسی کا ایک حصہ ہو۔

(۴) اہلِ سنت میں بھی چند لوگ علامہ کے خلاف تحریری اور تقریری جنگ چھیڑے ہوئے ہیں، ان میں سے بھی کسی کی شکایت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

خیر یہ تو صرف قیاسات ہیں، جب تک کوئی یقینی بات سامنے نہیں آتی ہے، اس وقت تک کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ اس پورے معرکے میں خاص بات یہ ہے کہ حضرت علامہ لیٰسٓ اختر مصباحی کی گرفتاری کی خبر عام ہوتے ہی ہزاروں افراد کی بھیڑ جمع ہوگئی اور بلا تفریق مذہب و ملت بنام مسلمان سارے لوگ علامہ کی حمایت میں میدان میں آ گئے۔ علما، دانش وران، سیاسی حضرات، مختلف صحافی اور قومی نمائندگان، یونیورسٹیز اور مدارس کے طلبہ نے علامہ کی حمایت و نصرت کا حق ادا کیا۔

ملک کے مشہور ہندی اور اردو اخبارات و رسائل اور مختلف چینلز نے بھی آپ کی بھرپور حمایت کی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سربراہِ اعلیٰ حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب جو دوسرے دن دہلی پہنچے تھے، وہ بھی آپ سے ملاقات کے لیے دار القلم تشریف لے گئے۔ اور اس تعلق سے تفصیلی گفتگو ہوئی، حضرت کی گرفتاری کے تعلق سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ اور طلبہ میں بھی سخت بے چینی تھی۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ کا احتجاجی بیان

ہم نے تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کی جانب سے درج ذیل بیان جاری کیا:

"مولانا لیٰسین اختر مصباحی کی گرفتاری اور رہائی نے مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے۔

مسئلہ صرف ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین کا نہیں بلکہ اصل معاملہ ان وجوہات کا ہے جن کی بنیاد پر انھیں گرفتار کیا گیا، ہمیں تشویش ہے کہ یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ جائے۔ (مبارک حسین مصباحی)

۲۱/ جنوری ۲۰۱۵ء کو بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم، دین اور مشہور محقق کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کل کے اخبارات کے ذریعہ سب کو معلوم ہو گیا ہے۔ مگر اب ہندوستانی مسلمانوں میں طرح طرح کے سوالات گشت کر رہے ہیں۔

آئی بی نے لودھی روڈ کے دفتر میں مولانا لیٰسین اختر مصباحی کو کیوں بلایا، یہ گزشتہ نصف صدی سے تصنیف و تالیف اور علمی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں۔ اب تک قریب پچاس کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ہندوستان میں خاص طور پر اور برصغیر میں عام طور پر ان کی شہرت و مقبولیت ہے، دیگر زبانوں اور دیگر ممالک میں بھی ان کی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ وہ کردار و عمل اور فکر و فن کے اعتبار سے بھی انتہائی باوزن ہیں اور ان کی شرکت سیمیناروں اور کانفرنسوں کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ ایسی مخلص اور باوقار شخصیت کا گرفتار کرنے کا عمل کیوں عمل میں آیا۔

سوال صرف عالم ربانی حضرت مولانا لیٰسٓ اختر مصباحی کا نہیں بلکہ دیگر مشاہیر اہل سنت کا بھی ہے، انھوں نے اپنی گفتگو سے مطمئن کیا اور باعزت رخصت کر دیا، لیکن جو حضرات کسی وجہ سے مطمئن نہ کر سکیں اور جن کے جاننے ماننے والے حضرات کی اتنی کثیر تعداد نہ ہو ان کا کیا ہوگا؟ ہندوستان عجیب و غریب دور سے گزر رہا ہے۔ ان حالات میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آئے، اس لیے خفیہ ایجنسی اور دیگر پولیس کے ذمہ داروں کو اپنی صفائی دینا چاہیے کہ وہ ایسا آئندہ ہرگز نہیں کریں گے اور اگر کچھ کریں تو اس کی وجوہات پہلے عام کریں۔

اوکھلا علاقہ ہو یا کوئی اور علاقہ، دہلی ایک حساس شہر ہے۔ حضرت مولانا کی گرفتاری کے بعد لوگوں میں حیرت انگیز تشویش پیدا ہوئی ہے۔ جامعہ نگر کے تھانہ کے باہر ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور گھنٹوں تک روڈ جام رہا ہندوستان اور بیرونی ممالک میں بھی یہ خبر گشت کر رہی ہے۔ ہم

ان حالات میں لوگوں سے گزارش کریں گے کہ وہ انتہائی سنجیدگی سے حکومت پر دباؤ بنائیں تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی بے جا جرأت نہ کرے۔ معاملہ صرف مولانا کے چند گھنٹوں کا نہیں ہے بلکہ حکومت کی اس فکر کا ہے جس کی بنیاد پر مولانا کو گرفتار کر کے لے جایا گیا۔

حضرت مولانا لیٰسین اختر مصباحی دار القلم ذاکر نگر دہلی کے بانی و مہتمم ہیں۔ آپ نے برسوں تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہ آج بھی حلقۂ اشرفیہ سے بہت قریب ہیں، موصوف ہندو بیرون ہند ایک سلجھے ہوئے قلم کار اور مفکر و مدبر کی حیثیت سے متعارف ہیں۔ وہ اہلِ سنت و جماعت میں بے پناہ معزز و مکرم ہیں، ان کے ساتھ حکومت کے اس رویے پر ہمیں بے حد افسوس ہے۔

از: مبارک حسین مصباحی
جنرل سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور

مرکزِ اہلِ سنت بریلی شریف اور میڈیا کا احتجاج

مرکزِ اہلِ سنت بریلی شریف کی عظیم شخصیت پیر طریقت حضرت مولانا شاہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ نے بھی اخبارات کو اپنا بیان جاری کیا جو حسب ذیل ہے:

”درگاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشیں نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے مولانا لیٰسین اختر مصباحی سے آئی بی کی تفتیشی کارروائی کو تمام سنی مسلمانوں کے لیے دل آزاری کا سبب بتایا۔ گذشتہ ایام میں جماعت اہلِ سنت کے جید عالم اور مشہور قلم کار مولانا لیٰسین اختر مصباحی کے ساتھ اس سلوک پر مرکزِ اہلِ سنت درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف کے سجادہ نشیں سبحان رضا خاں سبحانی میاں نے اپنے سخت ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کی گرفتاری سے ہندوستان میں امن کے علم بردار صوفی ازم کو ماننے والے اسّی فی صد مسلمانوں کے دلوں کو شدید جھٹکا لگا ہے۔ ہم خانقاہوں کے ذریعہ امن کا پیغام دینے والے لوگ ہیں اور مولانا مصباحی اسی جماعت کے ترجمان ہیں جنھوں نے ہمیشہ ہماری خانقاہوں کا پیغام اپنی تصنیفات و مضامین سے عام کیا۔ اب حکومت ان کو دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث ہونے کے شک میں ہراساں کر رہی ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ تعصب پرست اور زعفرانی ذہنیت رکھنے والی حکومت اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے آئی جی اور اے ٹی ایس اور را جیسے خفیہ اداروں کو استعمال کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں صاحبِ سجادہ نے کل رات مولانا لیٰسین اختر مصباحی سے فون پر گفتگو بھی کی۔ اس گفتگو کے متعلق مولانا سبحانی میاں کے پرسنل سکریٹری اور ٹی ٹی ایس کے جنرل سکریٹری مفتی سلیم نوری نے بتایا کہ صاحبِ سجادہ نے مولانا مصباحی کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ مصیبت کے لمحات میں مرکزِ اہل سنت درگاہ اعلیٰ حضرت آپ کے ساتھ ہے اور اس سلسلہ میں ہم فوری طور پر درگاہ کا ایک وفد حکومت کے ذمہ داران کے پاس بھیجیں گے اور ہر طرح کی قانونی و جمہوری کوششیں کریں گے۔“

اسی دوران بریلی شریف سے حضرت مولانا توصیف رضا رضوی نے بھی علامہ لیٰسین اختر مصباحی سے اطمینان بخش گفتگو کی اور حضرت کو بھر پور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ روز نامہ انقلاب کے تمام ایڈیشنوں اور روز نامہ سہارا اردو کی تمام اشاعتوں نے بھی آپ کی حمایت میں بھر پور بیانات شائع کیے، روز نامہ اخبارِ مشرق دہلی نے اپنے اخبار کا مکمل اداریہ لکھا، روز نامہ صحافت اردو، دہلی، روز نامہ عزیز الہند، دہلی، ہفت روزہ مسلم ٹائمز ممبئی، روز نامہ دینک جاگرن ہندی، روز نامہ ہندوستان ہندی، روز نامہ قومی خبریں دہلی، روز نامہ آگ لکھنؤ، روز نامہ اردو میڈیا لکھنؤ، روز نامہ قومی تنظیم پٹنہ، روز نامہ امراجالا ہندی، روز نامہ جدید خبریں اردو، روز نامہ ہمارا مقصد دہلی، روز نامہ اردو ٹائمز ممبئی، روز نامہ ہندوستان ایکس پریس دہلی، ماہ نامہ کنز الایمان دہلی، روز نامہ سہارا ہندی۔ وغیرہ اخبارات و جرائد میں احتجاجی بیانات جاری ہوئے جن کی تفصیل سے ہم بروقت قاصر ہیں۔ ان کے علاوہ متعدّد چینلز میں بھی یہ خبر بڑے اہتمام سے جاری رہی۔

حضرت علامہ لیٰسین اختر مصباحی اپنے عہد کی عظیم ترین شخصیت ہیں، وہ بلند فکر ہیں، تحریر و نگارش میں اپنی انفرادیت کے لیے مشہور ہیں۔ آپ جن موضوعات پر لکھتے ہیں۔ اپنے موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ ابھی آپ کی تازہ ترین تصنیف ”عرفانِ حقائق“ منظر عام پر آئی ہے جو دار القلم دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ عہدِ حاضر کے پیچیدہ مسائل کے لیے انتہائی مفید ہے۔

دعا ہے مولا تعالیٰ حضرت کو صحت و سلامتی کے ساتھ تا دیر سلامت رکھے اور ان کا علمی اور دینی فیضان دین و سنیت کے کے لیے جاری رکھے۔ آمین۔ ☆☆☆

علمی تحقیق

معرفتِ نفس اور معرفتِ الٰہی

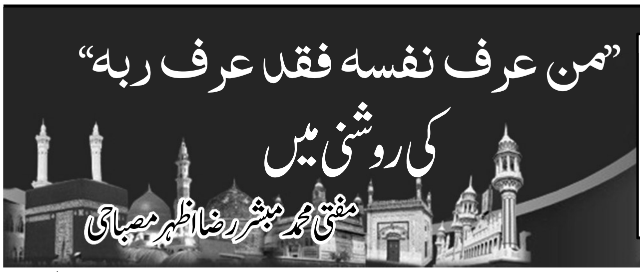

عالَمِ فانی میں بندۂ مومن کا اصل مقصود شریعت و طریقت کی راہ پر مضبوطی سے گامزن ہو کر محبت الٰہی اور عشق مصطفی کے جلوؤں میں کھو جانا، خشیت الٰہی، خوف آخرت اور تزکیۂ نفس کے زیوروں سے آراستہ ہونا اور میدان تسلیم و رضا میں سر تسلیم خم کر لینا ہے۔ اس لیے وہ مرد مجاہد اس منزل مقصود کے حصول کے لیے شب دیجور کی تنہائی میں خلوص و للہیت اور عزم و استقلال کا پیکر وفا بن کر اپنے معبود حقیقی کی عبادت و ریاضت اور بزرگوں کے وظائف و معمولات میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے، طہارت و پاکیزگی کو اپنی زندگی کا لازمہ بنا لیتا ہے۔ پھر فضل الٰہی جب اس پر رحمت باراں بن کر برسنے لگتا ہے تو ظاہری و باطنی تمام گناہوں سے آلودہ جسم کو بھی دھو کر مطہر و مزکی کر دیتا ہے۔ اب وہ بندۂ مومن نہ صرف مومن کامل بلکہ علم و حکمت اور سلوک و معرفت کے فلک میں نیر تاباں بن کر طلوع ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے علم و فضل کا تاجور، دبستان طریقت و روحانیت کا میر، اقلیم حقیقت و معرفت کا شہنشاہ اور ولایت و بزرگی کا تاجدار بن جاتا ہے۔

لیکن ایک بندۂ مومن وہ بھی ہے جو اپنی کامیابی و کامرانی کے لیے شام و سحر "فاذکرونی اذکرکم"۔ کی تلاوت کرتا ہے، حصول جنت کے لیے مسجود حقیقی کو ذکر جلی و ذکر خفی میں یاد کرتا ہے، دخول جنت کے لیے مالک جنت سے التجا کرتا ہے، منزل مقصود تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ہزاروں منتیں مانگتا ہے، خوف خدا اور خوف آخرت کو اپنے ذہن و فکر میں جاگزیں کر لیتا ہے، عشق مصطفی اور محبت اولیا کے نعرے سے زبان آراستہ کر لیتا ہے، اسلاف کے خطوط و نقوش پر عمل پیرا ہونا وظیفہ حیات بنا لیتا ہے۔ پند و نصائح میں آتا ہے تو آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا رواں کر لیتا ہے، زہد و ورع کی بات کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ دل کے آبگینے کو تقوی و طہارت کی شعاؤں سے جگمگا چکا ہے۔ مگر ان کی عملی زندگی کی شام کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ، حلم و حیا، شعور و نظر، فکر و فہم، صبر و تحمل بصیرت و بصارت، عبادت و ریاضت اور طہارت و پاکیزگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ سب تصنعات اور تکلفات ہیں اور صبح کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واشگاف ہوتا ہے کہ خود تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ہزاروں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسروں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی عدم ادائیگی پر آیت تخویف، نصیحت آمیز احادیث، حیرت انگیز واقعات اور عبرت آموز حکایات سنا سنا کر اپنی زبان کو ترہیب و ترغیب کا ترجمان بنا چکا ہے۔ خود غیبت، چغل خوری، جھوٹ، بدعہدی جیسے منہیات کبیرہ اور ممنوعات شنیعہ کا ارتکاب کر کے اپنی حیات مستعار کے ایک ایک لمحہ کو سیاہ و تاریک کر چکا ہے اور دوسروں کو اجتناب واحتراز کی تلقین کرتا ہے۔ ایسا ہی شخص جب بولتا ہے تو آیت الٰہی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ[الصف ۲](ترجمہ: اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے) ان کے لیے زجر و توبیخ کی صدا بلند کرتی ہے۔

دوستو! معرفت الٰہی کے حصول کے لیے محض قال اللہ و قال الرسول ﷺ ہی زبان پر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ خلوت و جلوت میں اپنا محاسبہ بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے حاسبوا قبل ان تحاسبوا اور یہ کہ کہیں مجھ پر کسی کا کوئی حق تو نہیں رہ گیا ہے کہ ہر حق والے کو حق دینا فرض ہے، کسی کی ہم نے غیبت تو نہیں کی ہے کہ غیبت تو زنا سے بھی بدتر جرم ہے، ناحق کسی پر ہم نے ظلم تو نہیں کیا ہے کہ ظلم کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہم نے بدعہدی تو نہیں کی ہے کہ یہ منافقین کی خصلت ہے، بلاشبہ انسان جب اپنے جرائم و معاصی کا اقرار و اعتراف کر لے اور جان جائے کہ ہم تو صرف ایک مخلوق ہیں، ہماری قدرت و اختیار میں ایک ذرہ بھی نہیں، ہم ناچار و مجبور ہیں، ہم محتاج ہیں، تو یقین جانو کہ وہی شخص معرفت الٰہی کی راہ میں پہنچ سکتا ہے کیوں کہ جو خود کو پہچان لیتا ہے در حقیقت اسی کو رب کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی کی قانون معرفت کی طرف "من عرف نفسه فقد عرف ربه" سے اشارہ ہے۔

دوستو! اگر تم نے کسی کی غیبت کی ہے یا ناحق ظلم کیا ہے، تو اس سے معافی طلب کر لو، تمہارے پاس کسی کا حق رہ گیا ہے تو واپس کر دو۔ اپنے گناہوں سے تائب ہو جاؤ۔ تصور کرو ہم تو چند دنوں کے مہمان ہیں، پھر فنا ہو جائیں گے، باقی تو صرف ہمارا رب رہے گا۔ جب ایک بندۂ مومن کے

اندر یہ خوبی پیدا ہوگی تو معرفت الٰہی کے بحر بیکراں سے ہمکنار ہونا آسان ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔

مذکورہ حدیث علما اور صوفیہ کے مابین مشہور و مقبول ہونے کے باوجود موضوع بحث بنی ہوئی ہے کہ یہ حدیث ہے یا پھر کوئی قول؟ مذکورہ حدیث میں سند کے اعتبار سے گرچہ اختلاف پایا جاتا ہے مگر متن الفاظ کی معنویت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قارئین کرام! میری اس تحریر کا اصل مقصود مندرجہ بالا حدیث کا ایک سرسری مطالعہ ہے۔ اس لیے آئیے حدیث کی سند پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

میں نے جہاں تک اپنی ناقص اور محدود مطالعے کی روشنی میں سمجھا وہ یہ کہ محدثین کے نزدیک "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"۔ یحیی بن معاذ الرازی کا قول ہے۔ مولانا روم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان عالی شان ہے۔ بعض صوفیائے کرام کے نزدیک یہ حدیث رسول ﷺ روایت بالمعنٰی کے طور پر مروی ہے۔ اور بعض کے نزدیک روایت باللفظ کے طور پر ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہی:-

محدثین کے نزدیک یحیی بن معاذ الرازی کا قول:

امام سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" حرف المیم حدیث نمبر ۱۱۴۷ میں فرمایا:

قال ابو المظفر بن السمعانی فی الکلام علی التحسین والتقبیح العقلی من القواطع: انه لا یعرف مرفوعا، وانما یحکی عن یحیبن معاذ الرازی یعنی من قوله، وکذا قال النووی: انه لیس بثابت، وقیل فی تاویله من عرف نفسه بالحدوث عرف ربه بالقدم ومن عرف نفسه بالفناء عرف ربه بالبقاء (المقاصد الحسنة (رقم الحدیث ۱۱۴۷)

علامہ زرکشی نے "اللآلی المنتورہ فی الاحادیث المشهورہ" ص ۱۲۹ پر فرمایا: قال النووی لیس بثابت و قال الامام ابو المظفر بن السمعانی فی القواطع "فی الکامل علی التحسن و التقبیح العقلی، ھذا لا یثبت عن النبی ﷺ وانما ھو لفظ محکی عن یحیٰی بن معاذ الرازی"

علامہ جلال الدین سیوطی نے " الدر المنتثرہ علی هامش الفتاوی الحدیثیه" ص ۲۰۷ میں فرمایا:

"قال النووی غیر ثابت وقال ابن السمعانی هو کلام یحیٰی ابن معاذ الرازی (الدر المنتثرہ ص ۲۴۹)

امام ابن حجر مکی نے " الصواعق المحرقہ " ص ۱۲۹ میں فرمایا:

"کذا نسب هذا الیه (یعنی علی رضی الله عنه) والمشهور انه کلام یحیٰی بن معاذ الرازی"

علامہ ابن حجر مکی نے فتاوی الحدثیہ ص ۲۰۶ میں فرمایا:

"لا اصل له وانما یحکی من کلام یحیٰی ابن معاذ الرازی الصوفی و معناه، من عرف نفسه بالعجز والافتقار والتقصیر والذلة والانکسار عرف ربه بصفات الجلالة والجمالة علی ماینبغی لهما فادام مراقبته حتیٰ یفتح له باب مشاهدته فیکون من اخصائه الذین افرغ علیهم سجال معرفته والبسهم صوافی خلافته." (ص: ۲۰۶)

ملا علی قاری نے الموضوعات الکبریٰ (الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعه) میں بیان فرمایا:

"قال ابن تیمیة: موضوع .وقال السمعانی: انه لا یعرف مرفوعا وانما یحکی عن یحیٰی بن معاذ الرازی من قوله .وقال النووی: انه لیس بثا بت (یعنی عن رسول الله ﷺ): والا فمعناه ثابت؛ فقد قیل من عرف نفسه بالجهل فقد عرف ربه بالعلم ومن عرف نفسه بالفناء فقد عرف ربه بالبقاء ومن عرف نفسه بالعجز والضعف فقد عرف ربه بالقدرة والقوة وهو مستفاد من قوله تعالیٰ ومن یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه ای جهلها حیث لم یعرف ربها" (الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة حدیث ۹۳۷)

مذکورہ تمام عبارتوں کا خلاصہ یہی ہوا کہ مبحوث عنہا جملہ یحیٰی بن معاذ الرازی کا مقولہ ہے۔

مولانا روم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان:

مولانا روم نے فیہ ما فیہ ص ۵۶ میں فرمایا: آنچہ علی گفت۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه

حضرت مجدد الف ثانی کا قول:

حضرت مجدد الف ثانی نے "من عرف نفسه فقد عرف ربه" کو دفتر سوم مکتوب ۶۶ میں بغیر تصریح حدیث و قول ذکر کیا ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک حدیث رسول ﷺ

مکتوبات امام ربانی لمجدد الف ثانی تخریج شدہ میں ہے:

علامہ عین القضاۃ ہمدانی نے تمہیدات ص ۵۶ میں بحیثیت خبر بیان

کیا ،علامہ علاء الدین سمنانی نے العروہ لاھل الخلوۃ والجلوۃ ص۲۶۰ا باب کرم میں بحیثیت حدیث ذکر کیا ہے، علامہ ابن عربی نے الفتوحات المکیہ ج۲ص۶۷ا باب نمبر۱۹۱میں مرفوعا بیان کیا ہے۔

حضرت علی ہجویری نے کشف المحجوب ص ۳۰۰ میں مرفوعا بیان کیا۔ علامہ ابن الدباغ نے بھی مشارق انوار القلوب ص ۱۲ میں مرفوعا بیان کیا ہے،علامہ عزالدین کا شانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مصباح الہدایہ ص۹۰ میں فرمایا: در حدیث صحیح است من عرف نفسه فقد عرف ربه، امام ماوردی نے ادب الدنیا والدین میں اس طرح بیان فرمایا۔ وقد روی عن عائشة عنها قالت یارسول الله متی یعرف الانسان ربه قال اذا عرف نفسه.

امام عبدالرؤف مناوی نے کنوز الحقائق جلد اول ص ۲۱ میں امام دیلمی کے حوالہ سے بلفظ اذا عرف نفسه عرف ربه بیان فرمایا۔

”من عرف نفسہ فقد عرف ربہ،، کا مطلب:

علما اور صوفیہ کی عبارتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ من عرف نفسہ کے تین معانی ہیں:

(پہلا معنی) جو شخص یہ پہچان لیتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا ہوں درحقیقت وہی یہ پہچان پاتا ہے کہ ہر چیز کا علم رب تبارک وتعالیٰ ہی کو ہے۔

(دوسرا معنی) جو شخص یہ پہچان لیتا ہے کہ میرا وجود فانی ہے در حقیقت وہی یہ پہچانتا ہے کہ صرف اور صرف باقی رہنے والی ذات رب تبارک وتعالیٰ کی ہے۔

(تیسرا معنی) جو شخص یہ پہچان لیتا ہے کہ میرے قدرت واختیار میں کچھ بھی نہیں ہے میں تو صرف ایک معمولی بندہ ہوں تو در حقیقت وہی یہ پہچانتا ہے کہ میرا رب ہی ہر چیز پر قادر ہے اور سب سے بڑی طاقت رب تبارک وتعالیٰ ہی کی ہے۔

ملا علی قاری الموضوعات الکبریٰ (الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعه) میں بیان فرماتے ہیں:

فقد قیل من عرف نفسه بالجهل فقد عرف ربه بالعلم ومن عرف نفسه بالفناء فقد عرف ربه بالبقاء ومن عرف نفسه بالعجز والضعف فقد عرف ربه بالقدرة والقوة وهو مستفاد من قوله تعالیٰ ومن یرغب عن ملة ابراهیم الا من سفه نفسه ای جهلها حیث لم یعرف ربها.

(الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة حدیث ۹۳۷)

علامہ ابن حجر مکی فتاوی الحدیثیہ ص۲۰۶ میں فرماتے ہیں:

ومعناه، من عرف نفسه بالعجز والافتقار والتقصیر والذلة والانکسار عرف ربه بصفات الجلالة والجمالة علی ماینبغی لهما فادام مراقبته حتیٰ یفتح له باب مشاهدته فیکون من اخصائه الذین افرغ علیهم سجال معرفته والبسهم صوافی خلافته.(ص:۲۰۶)

حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری نے مکتوبات سہ صدی حصہ اول ص۲۲۶ مکتوب۸۱ میں فرمایا کہ: اس کے تین معانی ہیں:

(۱) من عرف نفسه بالفناء عرف ربه بالبقاء

(۲) من عرف نفسه بالذل فقد عرف ربه بالعز

(۳) من عرف نفسه بالعبودیة فقدعرف ربه بالربوبیة

علام جلال الدین سیوطی نے الفتاوی الحاوی میں اس حدیث کے تعلق سے تفصیلی بحث کی ہے افادۂ عام کی خاطر اسکا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

قال النووی فی فتاویه : معناه من عرف نفسه بالضعف والافتقار الی الله والعبودیة له عرف ربه بالقوة والربوبیة والکمال المطلق والصفات العلی ، وقال الشیخ تاج الدین بن عطاء الله فی لطائف المنن : سمعت شیخنا أبا العباس المرسی یقول : فی هٰذا الحدیث تاویلان : أحدهما : أی من عرف نفسه بذلها وعجزها وفقرها عرف الله بعزه وقدرته وغناه فتکون معرفة النفس أولا ثم معرفة الله من بعد . والثانی : أن من عرف نفسه فقد دل ذلك منه علیٰ أنه عرف الله من قبل ، فالأول حال السالکین والثانی حال المجذوبین . (الحاوی للفتاوٰی ۲/۲۲۶.۲۲۹)

ترجمہ: امام نووی نے اپنے فتاوٰی میں کہا: اس حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو کمزور، باری تعالیٰ کا محتاج اور اس کا بندہ مانا تو یقینا اسی نے ذات باری تعالیٰ کو قوی، رب، کامل مطلق اور بلند صفات جانا۔ اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے لطائف المنن میں کہا: میں نے اپنے شیخ ابوالعباس مرسی کو کہتے ہوئے سنا کہ اس حدیث میں دو تاویل ہیں:

(۱) جس نے اپنے نفس کو اس کی حقارت ،عاجزی ،اور محتاجی کی حیثیت سے جانا تو اس نے اللہ کو اس کے غلبہ اس کی قدرت اور اس کی بے نیازی سے پہچانا۔

(۲) جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو وہ اس بات پر دال ہے کہ اس نے پہلے ہی سے اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کرلی۔ پہلی تاویل سالکین کے احوال پر مبنی ہے۔ جب کہ دوسری مجذوبین کی حالت کو بیان کرتی ہے۔ ☆☆☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

مخلوط تعلیمی اداروں میں عورت کی ملازمت کیسی ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) ہندہ ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر ہے، جہاں دوسرے نامحرم ٹیچرس بھی ملازمت کرتے ہیں۔ ضروری باتوں کے علاوہ ہنسی مذاق اور دیگر غیر ضروری باتیں بھی ان نامحرم ٹیچروں سے ہوتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نامحرم ٹیچروں کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہندہ اسکول بھی جاتی ہے۔ کیا شرعی نقطۂ نظر سے ہندہ کو ایسی ملازمت کرنی جائز ہے؟ نیز ایسی ملازمت سے حاصل شدہ آمدنی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۲) خالدہ ایک پرائیویٹ اسکول میں ملازمت کرتی ہے، جہاں نامحرم اسٹاف کا سامنا ہوتا ہے، کیسا ایسے اسکول میں خالدہ کو ملازمت کرنی درست ہے؟ نیز اس انتظامیہ کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے مرد و زن کا مخلوط اسٹاف اپنے اسکول میں مقرر کر رکھا ہے۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) عورت چند شرطوں کے ساتھ ملازمت کرسکتی ہے۔ پہلی شرط: درس گاہ طالبات کی ہو یا ایسے طلبہ کی جو چھوٹے چھوٹے ہوں، دوسری شرط: وہاں مردوں کا عمل دخل اس طور پر نہ ہو کہ شریعت کی خلاف ورزی کرنی پڑے۔ تیسری شرط: گھر سے مدرسے تک آنا جانا شرعی حجاب کے ساتھ ہو۔

اجنبی مردوں کے ساتھ خلط ملط، ان کے سامنے بے حجاب آنا جانا اور بلا ضرورت ان سے بے حجابانہ گفتگو کرنا، ہنسی مذاق یا دل لگی کرنا یا غیر محرم کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر سفر کرنا یا گھر سے مدرسہ یا مدرسے سے گھر آنا جانا، یا اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی، یہ سب حرام و گناہ ہیں۔ صورتِ مسئولہ میں ہندہ کی ملازمت ان معاصی سے آلودہ ہونے کی وجہ سے ناجائز و گناہ ہے۔ ایسی ملازمت شرعاً جائز نہیں، ہندہ اگر ان امور سے مکمل اجتناب کرے اور علانیہ تائب ہو کر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے مدرسے میں رہے اور آئے جائے تو ملازمت کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔

رہ گیا ملازمت کی تنخواہ کا مسئلہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ تنخواہ حلال ہے، کیوں کہ تنخواہ ڈیوٹی پر حاضر رہنے اور متعلقہ کام انجام دینے کا معاوضہ ہے اور یہ دونوں امور معصیت نہیں بلکہ معقود علیہ ہیں، یعنی انھیں کے لیے ہندہ اجیر (مزدور و ملازم) ہے تو اجرتِ عمل جائز ہے اور باقی مفاسد و معاصی ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مرد و زن کا مخلوط اسٹاف اسکول یا کسی بھی ادارے میں نہیں رکھنا چاہیے کہ اس سے عام طور پر بے حجابی اور غیر شرعی معاشرت کو ہوا ملتی ہے، حالات شاہد ہیں کہ اجنبی مرد و عورت عام طور پر ایک دوسرے کے سامنے بلا حجاب آتے جاتے، بات چیت کرتے بلکہ بسا اوقات کچھ تفریحی باتیں کرتے اور ہنستے ہیں، جو بچنا چاہے وہ بچ سکتا ہے اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے اور بندیاں بچتے بھی ہوں مگر فقہ کے احکام اکثری ہوتے ہیں۔ اس لیے مسلم انتظامیہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنے اسکول میں مخلوط اسٹاف نہ رکھیں، اسکول طالبات کا ہو، یا پرائمری کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا تو وہاں درس کے لیے معلّمات کو مامور کریں اور تعلیم بالغاں کے لیے مرد اساتذہ کا تقرر کریں۔ خالدہ شرعی احکام کے مطابق عمل کرے اور غیر شرعی زندگی سے اجتناب کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوٰجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. (الاحزاب:۵۹)

(یعنی اے نبی! اپنی ازواج اور صاحب زادیوں اور مومنین کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنے اوپر اپنی اوڑھنیاں لٹکا لیں، یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ایذا نہیں دی جائے گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

حدیثِ پاک میں ہے:

عن أبي بريدة عن أبيه رفعه قال : يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولىٰ وليست لك الآخرة. (ترمذی، ج:۲، ص:۱۰۱، أبواب الأدب)

بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ ”ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ کرو۔[یعنی اگر اچانک بلا قصد کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً نظر ہٹالے اور دوبارہ نظر نہ کرے]کہ پہلی نظر جائز ہے اور دوسری نظر جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قبرستان کی توسیع کے لیے زمین جبراً حاصل کرنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں:

زید کے گاؤں میں ایک قبرستان ہے، قبرستان کے شمال جانب ایک غیر مسلم کا کھیت ہے، گاؤں کے اکثر لوگ اور اراکین کمیٹی غیر مسلم کی دو ڈسمل زمین قبرستان میں جبراً لینا چاہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ غیر مسلم سے قیمت دے کر یا اس کو راضی کرنے کے بعد ہی قبرستان میں لیا جاسکتا ہے، بغیر رضا مندی یا بغیر قیمت جبراً قبرستان میں داخل کرنا درست نہیں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا قبرستان میں دو ڈسمل زمین جبراً لی جاسکتی ہے یا نہیں، کیا قیمت دے کر غیر مسلم سے لے لیا جائے تو قبرستان میں شامل کیا جاسکتا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب

مالک کی مرضی کے خلاف جبراً اس کی زمین یا کوئی چیز لینا سخت حرام و گناہ ہے۔ زمین مسلم کی ہو یا غیر مسلم کی، دو ڈسمل ہو یا ایک انگل، سب کا حکم ایک ہے، یہاں کے تمام باشندے پابند عہد ہیں۔ ہر ایک دوسرے کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور زبردستی کسی کی چیز نہ لے، تو غیر مسلم کی دو ڈسمل زمین اس کی رضا و اجازت کے بغیر قبرستان میں شامل کرنا غدر و بد عہدی ہے جو حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.

فقہا فرماتے ہیں:

أموالهم كأموالنا.

حدیث میں منافق کی ایک نشانی بتائی گئی:

اذاعاهد غدر. واللہ تعالیٰ اعلم.

ایک اہم مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ کرام درج ذیل مسئلہ میں:

زید کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے، اس کا رشتہ ایک مسلمان لڑکی (ہندہ) کے ساتھ تقریباً ۳؍ سال قبل طے ہوا۔ معاشی تنگی کی وجہ سے یہ شادی نہیں ہو پا رہی تھی، مگر اب زید، وسعت ہونے کے بعد یہ رشتہ یعنی نکاح کرنا چاہ رہا ہے۔ لیکن اس کے خاندان والے یہ کہ کر اس رشتہ سے منع کر رہے ہیں کہ لڑکی (ہندہ) کے دادا کے ننہال میں یعنی دادا کے ماموں مرحوم کو کوڑھ (جذام) کا مرض تھا، اس لیے لڑکی (ہندہ) کا خاندان صحیح نہیں ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں سے دور رہنے کی تاکید کی ہے۔ تو کیا ایسی لڑکی (ہندہ) سے نکاح کرنا شرعاً ممنوع ہے؟ اور کیا دادا کا ننہال لڑکی کا اپنا خاندان کہلائے گا؟ اور مزید زید کا کہنا ہے کہ اگر شریعت اجازت دیتی ہے تو میں ہر حال میں اس لڑکی (ہندہ) سے نکاح کروں گا۔ براے مہربانی اس مسئلہ کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔ فقط والسلام

الجواب

زید کا نکاح اس لڑکی ہندہ کے ساتھ جائز ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ لڑکی بھی بے عیب ہے اور اس کا اپنا خاندان بھی بے عیب ہے۔ حدیثِ پاک میں خاص مجذوم یعنی کوڑھی سے دور رہنے کا حکم ہے۔ ارشادِ رسالت ﷺ ہے:

فرمن المجذوم فرارك من الأسد.

اور یہاں ہندہ کو ایسا کوئی مرض نہیں بلکہ اس کا پورا خاندان اس مرض سے محفوظ ہے، اس لیے زید بلا تامل ہندہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے:

لا عدوى ولا طير. واللہ تعالیٰ اعلم.

بھیونڈی ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

جناب محمد عارف دانش رضوی

متصل ڈاکٹر پرویز انصاری متصل اللہ والی مسجد

زیتون پورہ، بھیونڈی، تھانہ، مہاراشٹر

فکر امروز

قومیت اور بین الاقوامیت کا تصور
اسلام کی نظر میں

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

لفظ قوم اکثر ہماری سماعتوں سے گزرتا ہے۔ فلاں قوم فلاں قوم۔ ہم جسے قوم کہتے ہیں یہ سماج انسانی کا تیسرا اجتماعی ادارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے تعارف کے لیے اقوام کا وجود اپنی مشیت قرار دیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔(پ۲۶،سورۃ الحجرات،آیت:۱۳)

”اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔“

مذکورہ آیت میں نہایت ہی خوبصورت انداز میں قوم کے وجود کی عکاسی کی گئی ہے نیز قوم کو حقیقی معنی میں فضیلت کے حصول کے راز سے آگاہ کیا گیا ہے۔ انسان کی تمدنی زندگی کے ان دو اداروں قوم اور قبیلہ کے ذریعے انسان کی پہچان قائم ضروری ہے۔ لیکن یہ دونوں شاختیں انسان کی تکریم اور عظمت کی بنیاد نہیں ہیں۔ اس لیے فرمایا گیا: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ اللہ کے ہاں تم میں سے تکریم والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ یعنی کامیابی و کامرانی کا ایک پیمانہ بیان کر دیا گیا۔

قوموں کی زبانوں میں پیغام اصلاح وفلاح:

قرآن نے تمدنی زندگی میں انسانوں کے تیسرے ادارے قوم کی تشکیل کی بنیاد زبانیں بتائی ہیں۔ جو رابطہ اور مافی الضمیر پہنچانے کا کام کرتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (سورۃ ابراہیم)

ترجمہ: ”اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انہیں صاف بتائے پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دکھاتا ہے جسے چاہے اور وہی عزت حکمت والا ہے۔“

سید عالم ﷺ کی رسالت تمام آدمیوں اور جنّوں بلکہ ساری خلق کی طرف ہے اور آپ سب کے نبی ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

"لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا"

اور جب اس کی قوم اچھی طرح سمجھ لے تو دوسری قوموں کو ترجموں کے ذریعے سے وہ احکام پہنچا دیے جائیں اور ان کے معنی سمجھا دیے جائیں۔ سیَرانبیا کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لیے ان کی زبانوں میں پیغام حق کو عام کیا۔ وہ پیغام و درس اور وہ ضابطہ جس کی قوم کو اس وقت حاجت تھی۔

زبانوں کا اختلاف:

دنیا میں انسان بستے ہیں ہر ملک و علاقہ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لیے علاحدہ علاحدہ بولیاں بولی جاتی ہیں۔ چناں چہ قران نے اسی جانب بندگان خدا کی توجہ مبذول کروائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۝

(پ۲۱،سورۃ الروم،آیت ۲۲)

”اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف، بے شک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے۔“

دنیا میں لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں۔ اپنے پیغام، موقف و مدعا کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان کا سہارا لیتے ہیں۔ ان میں کوئی عربی بولتا ہے کوئی فارسی، کوئی انگریزی، کوئی ہندی، کوئی اٹالین۔ اسی طرح شکل و شباہت و رنگتوں کا بھی اختلاف ہے کہ کوئی گورا، کوئی کالا، کوئی گندمی لیکن سب کی اصل ایک ہے اور سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں ”

اللہ تعالیٰ کو انسانوں کی انفرادی آزادی عزیز ہے۔ تاکہ وہ نیکی و بدی اور حق و باطل کے دو راستوں کے انتخاب میں مجاز بن سکیں۔ بالکل اسی طرح اقوام کی آزادی بھی اللہ تعالیٰ کو عزیز ہے۔ تاکہ قومیں کسی جبر و غلامی کے بغیر اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے فطری طریقوں پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اس

لیے انسانی تاریخ میں جب بھی افراد واقوام پر غلامیاں مسلط ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور مصلحین کے ذریعہ ان غلامیوں سے نکالنے کے مواقع عطا کیے۔ تمام انبیا علیہم السلام اس جہد مسلسل کی توبہ قرآن مجید میں جابجا ذکر موجود ہے۔ بنی اسرائیل کے اوپر فراعین مصر کی مسلط کی ہوئی غلامی ختم کرنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو جدوجہد کی پورے قرآن میں اس کا بار بار تذکرہ ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دربار میں واشگاف الفاظ میں بنی اسرائیل کی آزادی کا اعلان کیا۔ یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ آزادی کی نعمت کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں اپنے آبائی علاقہ دوتھلہ نکیال کشمیر گیا تو وہاں گولہ باری ہو رہی تھی انسانی زندگی مسدود ہو کر رہ گئی تھی۔ بچوں، بوڑھوں، نوجوانوں میں ایک ہیجانی کیفیت ملاحظہ کی۔ حقیقت ہے کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے۔ غلامی ایک تاریک جہاں ہے۔ چار سو ظلمت ہی ظلمت نظر آتی ہے۔ خوشی و مسرت، فرحت و شادمانی کے قمقمے گل ہو چکے ہوتے ہیں۔ وحشت و بیابانی نے پہرے ڈالے ہوتے ہیں۔

فطری آزادی: حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ.
(پ۹، الاعراف، آیت: ۱۰۵)

"مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر سچی بات میں تم سب کے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے۔"

اللہ تعالیٰ کو افراد و اقوام کی یہ آزادیاں آزادی رائے کے فطری حق کے استعمال کے لیے پسندیدہ ہیں۔ تاکہ بہتر شخصیت و سماج کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ اس کے بعد ہی افراد اس لائق ہو سکتے ہیں کہ وہ فرد کی حیثیت میں بہتر خاندان اور اقوام کی حیثیت میں بہتر ملت قائم کرنے کے مقاصد حاصل کر سکیں۔ سماج انسانوں کی آبادی جو قبیلوں اور قوموں سے تشکیل پاتی ہے۔ انسانی آبادیوں کو راہ ہدایت پر چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکے بعد دیگرے پیغمبر اور مصلح آتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں وحی کی تعلیم کے ذریعہ انسانی سماج کے تمام افراد، رشتوں، اداروں کو چلانے کے لیے مکمل رہنمائی کی۔ جو معاشرے وحی کی اس تعلیم کو قبول کرتے رہے، انہیں امن، سلامتی اور اطمینان نصیب ہوا۔ لیکن جن معاشروں نے اس تعلیم کو ٹھکرا کر اپنی سرکشی اور مفادات کے تحفظ کے لیے ظلم و ناانصافی کا راستہ اختیار کیا، قدرت نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

احتساب اور عتاب الٰہی: وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ. (پ۱۲، ہود، آیت: ۱۰۲)

"اور ایسی ہی پکڑ ہے تیرے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا ہے ان کے ظلم پر بیشک اس کی پکڑ دردناک کرّی ہے"

انسانیت سوز رویہ اختیار کرنے والوں اور ان رویوں کو ہوا دینے والوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔ ہر ظالم کو چاہیے کہ ان واقعات سے عبرت پکڑے اور توبہ میں جلدی کرے۔ یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک، بڑی ہی سخت ہے۔

قہار کی پکڑ: اللہ عَزَّوَجَلَّ! مہربان و کریم رب ہے لیکن جو اس کی بنائی ہوئی حدود کو پامال کرتا ہے ان کے لیے اس کی سخت پکڑ عبرت کا نشان ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (پ۲۰، القصص، آیت: ۵۹)

"اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع میں رسول نہ بھیجے۔ جو ان پر ہماری آیتیں پڑھے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے مگر جب کہ ان کے ساکن ستمگار ہوں۔

اللہ مہربان و کریم ہے: وہ کبھی انسانوں کی بستیوں کو (پاداش عمل میں) ہلاک نہیں کرتا، جب تک کہ ان کی مرکزی بستی میں ایک پیغمبر مبعوث نہ کر دے اور خدا کی آیتیں پڑھ کر نہ سنا دے۔ اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں صرف اس حالت میں کہ ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر لیا ہو۔

قرآن حکیم ایسے ظالم معاشرہ کو تبدیل کرنے کی طرف بلاتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (پ۵، النساء، آیت: ۷۵)

ترجمہ: "اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے واسطے جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ربّ! ہمارے ہمیں اس بستی سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے"۔

محترم قارئین! جب تک سماج میں ظالمانہ نظام کے تبدیلی کی یہ

کوششیں جاری رہتی ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ پورے سماج کو مہلت دیتا ہے کہ شاید کبھی یہ لوگ اپنی حالت بدلیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات ان سعادت مندوں کی حفاظت فرماتی ہے جو اس بھلائی کے کام میں سرگرم ہوتے ہیں۔ لیکن جب اکثریت کسی بھی صورت میں تبدیلی کے لیے تیار نہیں ہوتی تو پھر قانون خداوندی کے تحت ان کو مجرم ٹھہرا کر اپنے انجام سے گذارا جاتا ہے۔

انسانو سنبھل جاؤ!!!! ارشاد باری تعالیٰ: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○ (پ۱۲، سورۃ هود، آیت:۱۱۶ تا ۱۱۷)

"تو کیوں نہ ہوئے تم میں سے اگلی سنگتوں میں ایسے جن میں بھلائی کا کچھ حصہ لگا رہا ہو تا کہ زمین میں فساد سے روکتے ہاں ان میں تھوڑے تھے۔ وہی جن کو ہم نے نجات دیا اور ظالم اسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دیا گیا اور وہ گنہگار تھے۔ اور تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو بے وجہ ہلاک کر دے اور ان کے لوگ اچھے ہوں۔"

محترم قارئین: سماج کی چوتھی اکائی بین الاقوامیت ہے۔ دین اسلام میں اقوام کا وجود انسانوں کے تعارف کے لیے مثبت اور مشیت خداوندی کا تقاضا ہے۔ لیکن اسلام اقوام کو مستقل درجے دینے کے ساتھ ساتھ ان کو ایک بین الاقوامیت میں عمل گیر رکھنا چاہتا ہے تا کہ اس عمل سے ملت کی صورت میں وسیع انسانی اجتماعیت قائم ہو سکے۔ اقوام اللہ تعالیٰ کو جس طرح اپنے بندوں کی انفرادی غلامی استحصال اور غیر اللہ کی عبدیت پسند نہیں۔ اس طرح انسانوں کے منظم ترین تمدنی اجتماع قوم کی غلامی اور استحصال بھی ہرگز منظور نہیں۔ اس لیے طاقت وجبر کی بنیاد پر جب بھی انسانوں کو محکوم بنایا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے بعض کے لیے بعض کے ذریعہ مدافعت کروا کے اقوام کی آزادی اور براءت کے اسباب بنائے ہیں۔"

قوموں کی آزادی: ارشاد باری تعالیٰ:

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ (پ۱۷، سورۃ الحج، آیت:۴۰)

"وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسا اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے اور بیشک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قدرت والا غالب ہے"

قوموں کی بقا کے لیے پیغام انصاف: قرآن حکیم نے تمدنی زندگی میں اقوام کی شناخت اور تعارف کے ساتھ عدل و انصاف پر عمل پیرا رہنے کی تاکید کی ہے تا کہ کسی طور پر بھی ان کی خواہشوں، ان کے مفادات اور ان کی ضرورتوں کا احتیاج اور طلب اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ دوسری قوموں کے ساتھ انصاف کرنا چھوڑ دیں۔ فرمان الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(پ۶، سورۃ المائدہ، آیت:۸)

" اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

قوم گویا جسم ہے ، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم

ملّت واحدۃ کے لیے پیغام اخوت: ملت دین الٰہی کی اصل انسان کی وحدت واخوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے رسول بھی دنیا میں آئے سب نے یہی تعلیم دی تھی کہ تم سب اصلاً ایک امت ہو اور تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے۔ اس لیے تم سب کو چاہیے کہ اسی ایک پروردگار کی بندگی کرو۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ابتداء میں تمام انسان قدرتی زندگی بسر کرتے تھے اور ان میں نہ تو کسی طرح کا باہمی اختلاف تھا نہ کسی طرح کی مخاصمت۔ پھر ایسا ہوا کہ نسلِ انسانی کی کثرت اور ضروریات معیشت کی وسعت سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہو گئے اور ان اختلافات میں تفرقہ اور ظلم وفساد کی صورت اختیار کر لی۔ ہر گروہ دوسرے گروہ سے نفرت کرنے لگا اور ہر زبردست زیردست کے حقوق پامال کرنے لگا۔ جب یہ صورتِ حال پیدا ہوئی تو ضروری ہوا کہ نوع انسانی کی ہدایت اور عدل وصداقت کے قیام کے لیے وحی الٰہی کی روشنی نمودار ہو، چنانچہ یہ روشنی نمودار ہوئی اور خدا کے رسولوں کی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ

قائم ہو گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ: كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ۔(پ۲،سورۃ البقرۃ،آیت:۲۱۳)

”لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے۔“

رہبر و رہنما کی تابعداری: قرآن حکیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت سے استشہاد پیش کرتا ہے کہ جس طرح وہ دین حق کی راہ پر تمام نوع انسانی کے لیے خدا کی موحدانہ پرستش اور نیک عملی کی زندگی کی مثال تھے تم بھی اس مقتدیٰ کی اقتدا کرو۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (پ۱،البقرۃ،آیت:۱۳۵)

”اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہو جاؤ راہ پاؤ گے تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔“

ہدایت کی راہ تو وہی حنیفی راہ ہے جو ابراہیم کا طریقہ تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ قرآن حکیم نے امت واحدہ کی تشکیل کے لیے امتِ محمدیہ ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ انسانیت کو معروف (سلامتی کے اقدار) سے بہرہ ور کریں اور منکر (ہلاکت کے مظاہر) سے بچائیں۔

بہترین امّت کی پہچان: اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(پ۳،العمران،آیت:۱۱۰)

”تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اے بنی نوع انسان! قران میں غور کیوں نہیں کرتے۔ بلا قید مذہب، رنگ ونسل اس قران کو پڑھنے کی کوشش تو کریں۔ آپ کو جہاں جہاں رہنمائی کی ضرورت ہے یہ کتاب مشفق سائبان کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ ہے۔ آپ اس سے فیضیاب ہونے کی کوشش تو کریں۔

اتحاد ہی میں کامیابی ہے: یہودیوں میں سے مالک بن صیف اور وہب بن یہودا نے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ اصحاب رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا دین تمھارے دین سے بہتر ہے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے جو جماعت سے جدا ہوا دوزخ میں گیا۔ سید انبیا محمد مصطفےٰ ﷺ پر۔(ترمذی شریف)

نیابت الٰہی: نیابت الٰہی کی ذمہ داریوں کا تعلق انسان کی اپنی انفرادی زندگی سے زیادہ اجتماعی زندگی سے ہے، اس لیے قرآن حکیم نے انسانوں کی اجتماعیت کو قائم رکھنے کے لیے وحدت انسانیت اور وحدت دین کو ہر حال میں برقرار رکھنے کی تلقین ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (پ٤،سورۃ النساء،آیت:۱)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

قرآن کریم نے انسانیت کی اس وحدت کو قائم رکھنے کے لیے ایمان کے مرکزی نکات اور عمل کے لیے المعروف اور المنکر کی تفاصیل بھی بیان کر دی ہیں۔ معروف عرف سے ہے جس کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ پس معروف وہ بات ہوئی جو انسانوں کی سلامتی و فلاح کے لیے جانی پہچانی بات ہو۔ منکر کے معنی انکار کرنے کے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے انسانی ہلاکت کے محرکات و مظاہر کے طور پر انکار کیا گیا ہو۔ قرآن نے نیکی اور برائی کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دنیا میں عقائد و افکار کا کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے اچھے ہونے پر سب کو اتفاق ہے اور کچھ باتیں ایسی ہیں جن کے برے ہونے پر سب متفق ہیں۔ مثلاً اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے، جھوٹ بولنا برا ہے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ دیانتداری اچھی بات ہے، بددیانتی برائی ہے۔ اس سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ماں باپ کی خدمت، ہم سایہ سے سلوک، مسکینوں کی خبرگیری، مظلوم کی داد رسی انسان کے اچھے اعمال ہیں اور ظلم اور بدسلوکی برے اعمال ہیں۔

گویا یہ وہ باتیں ہوئیں جن کی اچھائی عام طور پر جانی بوجھی ہوئی ہے اور جن کے خلاف جانا عام طور پر قابل انکار و اعتراض ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب، دنیا کے تمام اخلاق...... (باقی ص:۱۷پر)

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق

ڈاکٹر جاوید احمد خاں

پڑوسی اور ہمسایہ ایسے دو لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے کے قریب رہ کر زندگی گزارتے ہیں، انسان ایک سماجی مخلوق ہے، اس کے لیے تنِ تنہا زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے۔ ایک دوسرے کے تعاون اور اشتراکِ عمل سے ہی وہ زندہ رہ سکتا ہے، اس دنیا میں ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ اگر ایک کا کھانا ہے تو اس پر حق ہے کہ دوسرے کو بھی اپنے کھانے میں شریک کرے، اگر ایک مرض میں مبتلا ہو جائے تو دوسرا اس کی عیادت کرے۔ اگر ایک پر کوئی مصیبت آئے تو دوسرا اس کا شریکِ غم ہو اور اس طرح اخلاق و محبت کی ان ذمہ داریوں میں بندھ کر ایک ہو جائے اس سے ان کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں گے۔

دینِ اسلام نے ہمیشہ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر ابھارا ہے۔ ربّ کائنات کا فرمان ہے:

”اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا۔“ (سورہ نساء:۳۶)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں دو طرح کے پڑوسیوں کا ذکر ہے ایک ایسا پڑوسی جو رشتہ دار بھی ہو اور ایک ایسا پڑوسی جو پہلو میں رہتا ہو مگر اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ پڑوسی کون ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: تمھارے گھر کے آگے پیچھے، دائیں بائیں کے چالیس چالیس گھر یہ سب تمھارے پڑوسی ہیں۔ پڑوسی چاہے جس مذہب سے تعلق رکھتا ہو ایک اچھے پڑوسی کا حق ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کا خیال رکھے، اس کے دکھ درد میں شریک ہو، اس کو کسی طرح تکلیف نہ پہنچائے اس کی عزت و آبرو کا ہمہ وقت خیال رکھے اس لیے کہ پڑوسی کا خیال رکھنا حقوق العباد میں سے ہے، حقوق اللہ نہیں ہے۔ حقوق اللہ کا تعلق ربِ کائنات سے ہے کہ اگر وہ چاہے تو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرما دے، حقوق العباد کا تعلق بندہ سے ہے کہ جب تک بندہ معاف نہیں کرتا اللہ رب العزت بھی اسے معاف نہیں کرتا، لہٰذا بندہ کو ہر وقت ایسا کام کرنا چاہیے جو اس کے رب کو ناراض نہ کرے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کسی طرح کوتاہی نہ کرے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو (بخاری)

ایک دوسرے موقع پر رسولِ عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ (بخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہمیشہ یوں تاکید کرتے رہے کہ گمان ہوتا تھا وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ (بخاری)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ! فلاں عورت اپنی نماز، روزہ اور خیرات کی کثرت کے باعث مشہور ہے، مگر وہ اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، وہ جہنم میں ہے۔ اسی شخص نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے متعلق کہتے ہیں کہ روزے کم رکھتی ہے، صدقات خیرات میں بھی کمی کرتی ہے اور نماز بھی کم پڑھتی ہے، مگر اپنے پڑوسیوں کو دکھ نہیں پہنچاتی۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ جنت میں ہے۔

پڑوسیوں میں محبت کی ترقی اور تعلقات کا بہترین ذریعہ ہدیوں اور تحفوں کا لین دین ہے۔ رحمتِ عالم ﷺ خود اپنی زوجہ محترمہ کو

اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

اسی بنیاد پر ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا، یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، اگر مجھے کوئی ہدیہ تحفہ بھیجنا ہو تو میں ان میں سے کس کے پاس بھیجوں، حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے گھر کا دروازے تمھارے گھر سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری)

ایک موقع پر ہادیِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ اے ابوذر! جب شوربا پکاؤ تو اس میں پانی بڑھا دو اور اس سے اپنے پڑوسی کی خبر گیری کرتے رہو۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔ (مشکوٰۃ)

ایک پڑوسی کا حق یہ ہے کہ جب اس کا پڑوسی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، اگر وہ مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو اور اگر وہ قرض مانگے تو اسے قرض دے، اگر اسے کسی برائی میں دیکھے تو اس کو برائی سے روکے، اگر اس کو کوئی خوشی لاحق ہو تو اسے مبارک باد پیش کرے، اگر وہ کسی مصیبت میں ہو تو اس کی خیریت معلوم کرے، اور حتی المقدور مدد کرے اور اس کے مکان سے اونچا اپنا مکان نہ تعمیر کرے کہ ہوا رک جائے اور ایسا کھانا نہ پکائے جس کی خوشبو سے اس کی اشتہا کو ہوا ملے جب کہ وہ خود اس کی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ الّا یہ چیز کہ اسے وہ چیز ہدیہ میں دے۔

(ص: ۱۴ کا بقیہ).... دنیا کی تمام حکمتیں دنیا کی تمام جماعتیں دوسری باتوں میں کتنا ہی اختلاف رکھتی ہوں، لیکن جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے سب ہم آہنگ اور ایک رائے رکھنے والی ہیں۔ اس لیے انسانیت کی ان سچائیوں پر وحدت انسانیت قائم کی جائے، تاکہ انسانیت کی فوز و فلاح کے اعلیٰ مقاصد حاصل ہو سکیں۔ قرآن کہتا ہے انسانیت کی سچائیوں پر مشتمل یہی راہ عمل نوع انسانی کے لیے خدا کا ٹھہرایا ہوا فطری دین ہے۔ یہی سیدھا اور درست دین ہے جس میں کسی طرح کی کجی اور خامی نہیں۔

یہی دین حنیف ہے۔ جس کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی تھی۔ اسی کا نام قرآن کی اصطلاح میں "الاسلام" ہے۔ یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین کی فرماں برداری۔ قرآن حکیم نے دین کے لیے الاسلام کا لفظ اس لیے اختیار کیا ہے کہ الاسلام کے معنی کسی بات کے مان لینے اور فرماں برداری کرنے کے ہیں۔ وہ کہتا ہے دین کی حقیقت ہی ہے کہ خدا نے جو قانون سعادت انسان کے لیے ٹھہرایا ہے اس کی ٹھیک ٹھیک اطاعت کی جائے۔ یہ بات صرف انسان کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام کائنات ہستی اسی اصل پر قائم ہے۔ سب کی بقا و قیام کے لیے خدا نے کوئی نہ کوئی قانون عمل ٹھہرا دیا ہے اور سب اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی روگردانی کریں تو کائنات ہستی درہم برہم ہو جائے۔ خدا پرستی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانہ پھر آباد کر سکتا ہے۔ یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی ہے اور ہم سب کے سر اسی ایک چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں، وحدت انسانیت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ ممکن نہیں انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آسکیں۔

محترم قارئین! انسان کی فطرت ہے کہ وہ تنہا زندگی بسر نہیں کر سکتا اس لیے فطرتاً گروہ پسند ہے۔ انسان زندگی کو گزارنے کے لیے ہم جنسوں سے تعاون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

میں اپنے موضوع کو سمیٹتے ہوئے آپ کی خدمت میں آخری کلام کے طور پر عرض گزار ہوں کہ انسان کی ذات سے جڑے عنوانات جس سے انسان کی معاشرتی زندگی پر بحث کی جاتی ہے۔ ان میں چند عنوانات مندرجہ ذیل ہیں جن پر آپ بھی غور و فکر کیا کریں اور انھیں ملاحظہ کریں تاکہ حسن معاشرت کے قیام میں آپ بھی اپنا کردار ادا کر سکیں۔

اسلامی تصور کائنات میں انسان، انسانی اقدار، منفی اقدار، حسین یا بدصورت، متعدد پہلوؤں کی حامل مخلوق، علم و دانائی، اخلاقی نیکی، انسان کی مختلف قوتیں، خودشناسی، انسانی صلاحیتوں کی تربیت، جسم کی پرورش، روح کی پرورش، مستقبل کی تعمیر میں انسان کا کردار، آزادی کی حدود اور انسان کا ارادہ، وراثت، جغرافیائی اور قدرتی ماحول، معاشرتی ماحول، تاریخ اور عصری عوامل، انسان اور قضا و قدر، انسان اور فرائض، بلوغت، عقل، علم و آگاہی، طاقت و توانائی، آزادی و اختیار، خودشناسی، دنیوی خودشناسی، طبقاتی خودشناسی، قومی خودشناسی، انسانی خودشناسی، عارفانہ خودشناسی۔

ربِّ کریم جل مجدہ ہمیں حق و سچ کے راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور انسانیت کے لیے ہمیں نفع بخش بنا دے۔ ☆☆

التصوف بین الافراط والتفریط

ایک تحقیقی مطالعہ

شیخ عمر عبداللہ کامل کے اس رجحان سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ ابن تیمیہ اپنی تمام تر علمی فضیلتوں کے باوجود نقد تصوف میں متعدّد مقامات پر تعصب کے شکار ہوئے ہیں اور بعض مقامات کے امور میں صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مفتی محمد ساجد رضا مصباحی

تصوف پر نقد و نظر اور مدح و قدح کوئی نئی بات نہیں ہے، تصوف ہر دور میں مؤیدین اور منکرین کے درمیان موضوع بحث رہا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ تصوف کے مادحین اور قادحین دونوں ہی ہر زمانے میں افراط و تفریط کے شکار رہے ہیں۔ بعض ناقدین تصوف نے تصوف کو سب سے بڑی بدعت قرار دیا تو بعض نے اسے ضلالت و گمراہی بتایا۔ اس کے برعکس حامیان تصوف نے اسے ہی دین کی اصل اور عین یقین کہ کر یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ تصوف سے ہٹ کر دین کوئی چیز نہیں۔ حالاں کہ دونوں فریق میں ایسے مخلص علما بھی رہے جن کی حق گوئی اور صداقت پسندی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ پھر نہ جانے کیوں ان دونوں گروہ نے افراط و تفریط کی راہ کو اختیار کیا اور کسی نقطہ اعتدال پر جمع نہیں ہوسکے۔ جب کہ نزاعی امور میں اعتدال کی راہ ہی نجات کا ضامن ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے کرام نے تصوف کی مدح و قدح میں اعتدال کی راہ کو اختیار کیا ہے۔ دراصل خود حاملین تصوف اپنے نظریات و معتقدات میں افراط و تفریط کے شکار رہے۔ بعض صوفیہ نے تصوف کے نام پر دین کے مسلمات کا مذاق اڑایا، کتاب و سنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ اگرچہ جماعت صوفیہ کی اکثریت اس الزام سے بری ہے۔ دوسری جانب ناقدین تصوف سے بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے نقد و نظر کا دائرہ متعیّن نہیں کیا، اور بلا امتیاز و استثنا پوری جماعت صوفیہ کو اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہوئے مطلقاً تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا۔ لہٰذا اہل تصوف اور ناقدین تصوف دونوں ہی افراط و تفریط سے نہیں بچ سکے۔

عالم عرب کے معروف عالم شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنی کتاب ”التصوف بین الافراط والتفریط“ میں ناقدین تصوف کی بے اعتدالیاں اور بعض حاملین تصوف کے غیر شرعی نظریات پر فاضلانہ گفتگو کرتے ہوئے اعتدال اور انصاف کی صورت کو اجاگر کیا ہے۔

شیخ عمر عبداللہ الکامل:

فضیلۃ الشیخ عمر عبداللہ کامل مکہ مکرمہ میں ۱۳۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سکنڈری کی تعلیم ریاض میں حاصل کی۔ ۱۹۷۵ء میں شاہ سعود یونی ورسٹی سے معاشیات اور سیاسی علوم میں بی، اے (B.A) کیا، پھر پاکستان کی کراچی یونی ورسٹی سے ایم، اے (M.A.) کیا، وہیں سے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ اس کے علاوہ جامعہ ازہر مصر سے بھی شریعہ اور اصول فقہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

مختلف علوم و فنون پر آپ کی گراں قدر تصنیفات، تالیفات اور تحقیقی مقالے ہیں، مقامی اور بین الاقوامی سطح کے سیمیناروں میں شرکت کرتے ہیں۔ مختلف تحریکوں، تنظیموں اور اداروں سے وابستہ ہیں۔ عالم اسلام کی عظیم یونی ورسٹی جامعہ ازہر مصر کے مشیر خاص اور مرکز الثقافۃ السنیہ کیرالا ہندوستان کے مشیر اعلیٰ ہیں۔

عقائد، فقہ، اصول فقہ، تصوف، مسائل خلافیہ، تقابل وغیرہ فنون پر آپ کی درجنوں تصانیف اہل علم کے مابین مقبول ہیں۔ عقائد و نظریات میں آپ جمہور امت مسلمہ کے موافق ہیں، بلکہ عالم عرب میں ان کی نشر و اشاعت کے لیے مخلصانہ جد و جہد کر رہے ہیں۔[۱]

التصوف بین الافراط والتفریط:

شیخ عمر عبداللہ کامل کی یہ کتاب اہل تصوف اور ناقدین تصوف کی افراط و تفریط کی تفہیم کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنی اس اکتاب میں زیر بحث مسئلے کی وضاحت کے لیے علمائے سلف کے نظریات کو پیش کرنے کے ساتھ معاصر مصنفین کے حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنے اعتدال پسندانہ موقف کو عقلی و نقلی دلائل سے مبرہن کیا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر لکھی گئی شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کی تصانیف کا حوالہ بکثرت پیش کیا ہے، مؤلف نقد تصوف میں شیخ ابن تیمیہ کے نظریات کے حامی ہیں اور ان کے قول کو

استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف
sajid.misbahi@gmail.com

قول فیصل کا درجہ دیتے ہیں علمی سطح پر وہ شیخ ابن تیمیہ سے متاثر ہیں بلکہ بعض مقامات پر ابن تیمیہ کے نظریات کو نقد و نظر کی کسوٹی پر رکھنے کی بجائے ان کی شخصیت سے مرعوب نظر آتے ہیں انہوں نے مختلف مقامات پر شیخ ابن تیمیہ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب درج ذیل بارہ فصلوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ پیمانہ عدل ۲۔ تصوف۔ مادحین اور ناقدین کی نظر میں۔ ۳۔ تصوف خالص کی ضرورت و اہمیت ۴۔ علم تصوف اور اس کے مشاہیر ائمہ ۵۔ ارکان تصوف ۶۔ کرامت اور ولایت ۷۔ کشف و الہام افراط وتفریط کے درمیان ۸۔ مطالعہ تصوف کے چند اصول ۹۔ تزکیہ نفس مبتدعین اور متبعین کی کش مکش میں ۱۰۔ صوفیہ اور سلفیہ کے مابین امور اجتہادیہ ۱۱۔ اسلامی عقائد سے متصادم بعض صوفیہ کے نظریات ۱۲۔ بعض مدعیان تصوف کے لیے تنبیہات۔

ذیل کے سطور میں ہم اختصار کے ساتھ مصنف کے افکار و نظریات کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

پیمانہ عدل:

مؤلف نے کتاب کی پہلی فصل میں تصوف کے ان ناقدین پر برہمی کا اظہار کیا ہے جو بعض مدعیان تصوف کی بے راہ رویوں کی وجہ سے پوری جماعت صوفیہ کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور تصوف کو مطلقاً گمراہی کا سبب بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی جماعت کے بعض افراد کے جرم کو پوری جماعت کے سر تھوپنا نہ صرف یہ کہ ظلم ہے بلکہ اسلامی اصول ونظریات کے بھی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ولاتزر وازرۃ وزر اخریٰ"۔ ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (القرآن ۱۷/۲۷)

شیخ عمر عبد اللہ کامل کہتے ہیں کہ ہمیں اعتراف ہے کہ صوفیہ کے بعض گروہ ایسے نظریات کے حامل رہے ہیں جو قرآن و حدیث سے متصادم ہیں لیکن انہیں بنیاد بنا کر پوری جماعت صوفیہ کی مذمت اصول اسلام کے خلاف ہے، احادیث نبویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرد کے بعض معاصی کی وجہ سے ان کے سارے نیک اعمال باطل نہیں ہو جاتے اور ایسے شخص کو لعنت کا مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا تو کسی جماعت کے بعض افراد کے جرم کی سزا پوری جماعت کو دینا کہاں کا انصاف ہے۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث پاک نقل کی گئی:

"ان رجلا کان یسمی حمارا و کان یضحك النبی ﷺ وکان یشرب الخمر ویجلدہ النبی ﷺ فاتی بہ مرۃ ، فقال رجل لعنہ اللہ ما اکثر ما یوتیٰ بہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال لہ النبی ﷺ لا تلعنہ فانہ یحب اللہ و ورسولہ۔"

ترجمہ: ایک شخص کا نام حمار تھا، وہ نبی کریم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا، وہ شراب پیا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ اسے سزا میں کوڑے لگوایا کرتے تھے۔ ایک بار اسی جرم میں آپ کی بارگاہ میں لایا گیا تو ایک شخص نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو، بار بار اسی جرم میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں لایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو لعنت سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس پر لعنت نہ بھیجو کیوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ ۲

مؤلف مذکورہ حدیث پاک سے استدلال کرتے ہیں کہ جب بعض معاصی کی وجہ سے کسی شخص کے سارے اعمال باطل نہیں ہو جاتے تو کسی جماعت کے بعض افراد کی لغزشوں کی وجہ سے پوری جماعت کو مورد الزام ٹھہرانا کیسے درست ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ صوفیہ سلف ہی کے طریقے پر ہیں، دونوں کی منزل ایک ہی ہے، اسلاف کا ہدف یہ رہا کہ دین کو عصری بدعات اور آلائشوں سے پاک کرکے خالص کیا جائے جب کہ صوفیہ اسی مقصد کے حصول کے لیے تزکیہ قلب کا سہارا لیتے ہیں، ہاں جن صوفیہ کے اندر اخلاص کا فقدان ہوا وہ سلف وصالحین کے مشن سے دور ہوئے اور انہوں نے نشان منزل کھو دیا۔

تصوف مادحین اور ناقدین کی نظر میں:

شیخ عمر عبد اللہ الکامل نے کتاب کی دوسری فصل کو " التصوف بین مادحیہ و قادحیہ" کا عنوان دیا ہے۔ جس کے تحت مصنف نے تصوف کے حامیین اور مخالفین کے شدت پسندانہ رویے کو بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ تصوف کے تعلق سے دونوں فریق کے نظریات تعصب پر مبنی ہیں۔ حامیین کا حال یہ ہے کہ وہ صوفیہ کے ہر قسم کے نظریات کی حمایت اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ان کے غلو کا حال یہ ہے کہ وہ صوفیہ کو خطا کی نسبت سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ یوں ہی مخالفین کی کیفیت یہ ہے کہ وہ بغیر غور و تامل کے تمام صوفیہ کی مذمت اپنا فریضہ منصبی تصور کرتے ہیں۔ افراط و تفریط کے شکار یہ دونوں گروہ یا تو گہری فکر اور اعلیٰ بصیرت سے عاری اور کتاب و سنت کے اصول وضوابط سے نابلد ہیں یا پھر تعصب کے ہاتھوں مجبور اور بے بس

ہیں ۔کیوں کہ تصوف کی بنیاد ان اسلامی عناصر پر ہے جن کا انکار ممکن نہیں، اور یہ ایسا مخفی راز بھی نہیں جس پر اطلاع ان ناقدین کے لیے ناممکن ہو۔

مؤلف کہتے ہیں کہ صوفیہ جن امور کے داعی ہیں مثلاً توکل، توبہ، شکر، صبر، تزکیہ، تقویٰ، مراقبہ وغیرہ یہ وہ امور ہیں جن کے تعلق سے قرآن و حدیث میں بے شمار نصوص وارد ہیں، ہاں تصوف کے وہ نظریات جن کی اصل قرآن و حدیث میں نہیں ملتی ہم ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور کتاب و سنت ہی کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے ہیں۔ان سب کے باوجود تصوف کو غیر اسلامی قرار دینا کھلا ظلم ہے۔ شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں مذکورہ چیزیں قرن اول میں بھی موجود تھیں یہ اور بات ہے کہ اس دور میں ان کو اخلاق کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور بعد میں ان کے لیے تصوف کی اصطلاح وضع ہوئی۔ ۳

یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ قرن اول کے بعد تصوف کے نام پر بعض صوفیہ سے کتاب و سنت کے مزاج کے خلاف بعض انحرافات کا صدور ہوا جو نقد تصوف کا اصل سبب بنیں۔ شیخ عمر عبد اللہ الکامل نے صوفیہ کے ان انحرافات کا اجمالی تذکرہ اپنی اس کتاب میں کیا ہے، مثلا:

☆صوفیہ نے ذوق، وجدان اور شخصی الہامات کو بڑی اہمیت دی اور انہیں اشیا کے حسن و قبح کی معرفت اور حق و باطل کی تمیز کا معیار قرار دیا اور اس میں اس حد تک غلو کر بیٹھے کہ علما و محدثین کے قول حدثنا عن فلان عن فلان........... عن رسو ل اللہ ﷺ کے طرز پر حدثنی قلبی عن ربی وغیرہ کہہ کر ذوق و وجدان اور الہامات کو نصوص کا درجہ دے دیا۔

☆شریعت اور حقیقت کے درمیان تفریق کرتے ہوئے کفار کے تعلق سے کہا:

من نظر الی الخلق بعین الشریعة مقتھم و من نظر الیھم بعین الحقیقة عذرھم“

ترجمہ: جس نے انہیں شریعت کی نظر سے دیکھا، لائق سزا قرار دیا اور جس نے انہیں طریقت کی نظر سے دیکھا معذور رکھا (یعنی شریعت کفار کو تو جہنمی کہتی ہے لیکن طریقت کی نظر میں وہ معذور ہیں)

☆قرآنی اور حدیثی منہج کے خلاف دنیاوی زندگی کو بالکلیہ بے توقیر قرار دیا، جب کہ قرآن و حدیث میں دنیاوی زندگی کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا:

”رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾“(القران ۲/۲۰۱)

ترجمہ: اے اللہ ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما۔

حدیث پاک میں فرمایا گیا:

”الھم اصلح لی دنیا ی التی فیھا معاشی.“

ترجمہ: اے اللہ میری دنیا کو صالح بنا جس میں میرا معاش ہے۔

☆تربیت سلوک وفکر میں مرید کی شخصی حیثیت بالکلیہ ختم کردی گئی، بلکہ کہا گیا کہ مرید شیخ کے سامنے ایسا ہی ہے جیسا کہ میت نہلانے والے کے سامنے، جس شخص نے اپنے پیر کے سامنے کیوں؟ اور کیا کہا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ۴

شیخ عمر عبداللہ کامل کہتے ہیں کہ یہ وہ افکار و نظریات تھے جن کا وجود قرن اول میں نہیں تھا جب اس طرح کے نظریات کی تشہیر ہوئی تو مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے نے انہیں اسلامی نظریہ سمجھ لیا۔ ان جیسے غیر اسلامی نظریات ہی کی وجہ سے ناقدین تصوف نے تصوف کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ اور اپنے غیر محتاط رویے کی وجہ سے بے اعتدالی کے شکار ہوئے، حالاں کہ تصوف کے مدح و قدح میں اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے جیسا کہ ناقدین تصوف میں شیخ ابن تیمیہ، شیخ ابن قیم اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی وغیرہ کا طریقہ رہا ہے۔ ۵

تصوف کی ضرورت:

شیخ عمر عبد اللہ الکامل کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں ہر سمت مادیت کا غلبہ ہے، شہوت و نفسانیت نے ہماری اخلاقی قدروں کو پامال کر دیا ہے، تصوف ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر اس ہلاکت خیز طوفان سے نجات مل سکتی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں تصوف ایسا زینہ ہے جس کے ذریعہ ایمان کے ثمرات تک رسائی ہو سکتی، حقیقت تصوف کی معرفت کے بغیر حقیقت ایمان کی بھی معرفت نہیں ہو سکتی، ایمان کے ثمرات یہ ہیں کہ دل میں حب الٰہی پیدا ہو، قلب خوف الٰہی سے معمور ہو جائے، بندے کے ہر عمل کا مقصد رضائے الٰہی ہو، توکل صرف ذات الٰہی پر ہو، بندہ اپنے کو غیر خدا کا محتاج نہ سمجھے، اس کا ربط اپنے معبود سے اس قدر پختہ ہو جائے کہ ہر آن اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں حاضر سمجھے۔ ظاہر ہے ان ہی کیفیات کا نام حقیقی

تصوف ہے۔٦

تصوف کے مختلف ادوار:

شیخ عمر عبداللہ کامل نے اپنی اس کتاب کی چوتھی فصل میں عہد صحابہ سے قرن رابع تک تصوف میں پیدا ہونے والے انقلابات اور ان ادوار کے مشاہیر ائمہ تصوف کے فضائل ومناقب کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔ہم یہاں ان کی تحریر کے اہم اقتباسات کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

تصوف عہد صحابہ میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد میں اگر چہ تصوف کی اصطلاح وضع نہیں ہوئی تھی اور نہ تعلیم تصوف کے باضابطہ اصول متعیّن تھے۔لیکن ان کی سیرت طیبہ میں زہد وسلوک، صفائے قلب اور توکل استغنا کے بے شمار نمونے ملتے ہیں، بلکہ ان اوصاف کے جامع صحیح معنوں میں یہی حضرات تھے، بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابو ذر غفاری، حضرت سلمان فارسی وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو ان اوصاف کے ساتھ کافی مشہور ہوئے، لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مبارک عہد میں ان کے زہد واستغنا میں بے اعتدالیاں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ایک روایت کے مطابق بعض صحابہ کرام نے اپنی آپسی مجلس میں عہد کیا کہ وہ مسلسل روزے رکھیں گے، ہمہ وقت عبادات وریاضات میں مشغول رہیں گے، عورتوں اور خوشبو سے دوری اختیار کرتے ہوئے دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کرلیں گے، جب یہ بات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا اور صحابہ کرام کو اس معاہدہ پر عمل پیرا ہونے سے منع فرمایا؛ قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی:

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْاۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾"

(المائدة:٨٧)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

یعنی صحابہ کرام کا تصوف افراط وتفریط سے پاک اور کتاب وسنت کے عین مطابق تھا، تصوف میں بے اعتدالیاں بعد کے ادوار میں پیدا ہوئیں۔٧

تصوف عہد تابعین میں:

تابعین کے عہد میں تصوف میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں، اس زمانے میں بعض ایسے اصحاب تصوف پیدا ہوئے جنہوں نے تصوف کے آداب ومعمولات کو موضوع سخن بنایا، ان اصول وآداب پر وہ خود عمل پیرا ہوئے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی، اس زمانے میں اس جماعت کو زہاد اور واعظین کی جماعت کہا جاتا تھا، اس گروہ کے سرخیل معروف تابعی حضرت حسن بصری تھے جو علم قرآن وحدیث اور فقہ وبلاغت کے ساتھ تصوف کے اصول وآداب کی بھی کامل معرفت رکھتے تھے، آپ کی علمی مجالس میں علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ تزکیہ نفس اور زہد وغنا کا درس بھی دیا جاتا تھا۔حضرت حسن بصری کے علاوہ حضرت مالک بن دینار، حضرت حبیب عجمی، حضرت عبد الواحد بن زید وغیرہ اجلہ علما اس زمانے میں تصوف کے معروف ائمہ تھے، ان حضرات کا تصوف کتاب وسنت کے موافق تھا۔ اس عہد میں گروہ صوفیہ میں بعض ایسے افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اعتدال کی راہ کو چھوڑ کر غلو کو اختیار کیا، اس گروہ کے غلو کا حال یہ تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں حبیص (ایک قسم کا عمدہ حلوہ جو گھی اور چھوہارے سے تیار کیا جاتا ہے) نہیں کھاتا، کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکریے پر قادر نہیں ہوں۔ یہ بات حضرت حسن بصری کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص احمق ہے، وہ یہ بتائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ٹھنڈے پانی کے شکریے پر قادر ہے۔

شیخ عمر عبد اللہ الکامل کہتے ہیں کہ قرن ثانی میں زہاد اور وعاظ کی اصطلاح ختم ہوئی اور اس جماعت کو صوفیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔اب صوفیہ کے قلبی خطرات اور شخصی ذوق وجدان پر بحث وتمحیص کا سلسلہ شروع ہو گیا اور باضابطہ تصوف کے اصول وضوابط اور قواعد و اصطلاحات متعیّن ہوئے۔٨

حوالے:

١ www.okamel.com ٢ شیخ عمر عبد اللہ کامل، التصوف بین الافراط والتفریط، مکتبۃ التراث الاسلامی قاہرہ، ص:٦

٣ نفس مصدر ص:١٤تا١٩ ملخصًا ٤ مصدر ص:١٤تا١٩ ملخصًا

٥ نفس مصدر ص:١٥؛ ٦ نفس مصدر ص:٢٣

٧ نفس مصدر ص:٣٨ ٨ نفس مصدر ص:٣٩و٤٠

.......................(جاری)

☆☆☆☆☆

انوارِ حیات

حافظِ ملت ﷫

خدمات، اثرات اور علمی فتوحات

محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی

یقین محکم اور عمل پیہم کے ساتھ جب کوئی بندۂ خدا مذہب وملت کی خدمت کا جذبۂ بیکراں لے کر مستقبل کے لیے منصوبہ سازی کرتا ہے اور اپنے بنائے ہوئے خاکوں میں رنگ بھرتا ہے تو اس کی یہ رنگ آمیزی رائیگاں نہیں جاتی، اس کا جذبۂ اخلاص اس کی قوت ارادی کو مہمیز دیتا ہے اور وہ اپنے منصوبوں کی تکمیل میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ کسے پتہ تھا کہ چودھویں صدی ہجری کی دوسری دہائی میں ہندوستان کی ایک گم نام بستی میں جنم لینے والا بچہ محض چالیس برس کی عمر میں ایک تاریخی انقلاب برپا کردے گا اور برصغیر ہندوپاک کی دینی وعلمی فضا اس کے نام کی نغمہ سنجی سے زعفران زار ہوتی رہے گی۔ نام ہے عبدالعزیز، لقب ہے جلالۃ العلم، حافظ ملت، محدث مرادآبادی اور کنیت ابوالفیض ہے۔ حضور حافظ ملت جلالۃ العلم علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کی ولات بروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۴ء کو ضلع مرآدباد اتر پردیش کے موضع بھوج پور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں حاصل کی۔ والد ماجد حافظ غلام نور کی نگرانی میں حفظ قرآن کی تکمیل کی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب جناب عبدالمجید بھوج پوری سے پڑھنے کے بعد جامعہ نعیمیہ مرآدباد میں داخلہ لیا، وہاں متوسطات پڑھیں، تین سال وہاں رہے پھر اعلیٰ تعلیم ومنتہی کتابوں کی تحصیل کے لیے چند رفقا کے ساتھ حضور صدر الشریعہ علامہ شاہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مصنف بہار شریعت) کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے جن میں مولانا غلام جیلانی میرٹھی، قاضی شمس الدین جون پوری، مولانا قاری اسد الحق اور حافظ ضمیر حسن صاحبان کا نام آتا ہے، شوال ۱۳۴۲ھ میں مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں داخلہ لیا اور یہاں رہ کر حضور صدر الشریعہ اور دیگر اساتذہ ذوی الاحترام کی بارگاہ فیض میں اکتساب علم کرتے رہے، حدیث شریف کی تکمیل حضور صدر الشریعہ کی بارگاہ میں کی، ۱۳۵۱ھ میں منظر اسلام بریلی سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی عبدالمجید بھوج پوری، مولوی حکیم مبارک اللہ صاحب، حافظ حکیم نور بخش صاحب، حکیم محمد شریف کے ساتھ مولانا عبدالعزیز خاں فتح پوری، حضرت مولانا اجمل شاہ سنبھلی، مولانا محمد یونس سنبھلی، مولانا وصی احمد سہسرامی، صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، مفتی امتیاز احمد، مولانا عبدالحیٔ افغانی، مولانا سید امیر پنجابی، مولانا حافظ سید حامد حسین صاحب علیہم الرحمہ کے اسما قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ قابل احترام علمی سرچشمے ہیں جن کی نگاہ التفات نے حضور حافظ ملت کو ملت کی نگہبانی کا سلیقہ بخشا، علمی فیضان سے مالا مال کیا، فکر وشعور کو بالیدگی عطا کی، قوت ارادی کو صحیح سمت میں استعمال کرنے کا حوصلہ دیا۔ بالخصوص حضور صدر الشریعہ کی نگاہ کرم اور خصوصی عنایت نے آپ کو علوم وفنون کا بحر ذخار بنادیا، آپ نے بارہا اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے، ایک بار فرمایا: ”میں نے حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ سے سب کچھ سیکھا، یہاں تک کہ کھانا، پینا اور چلنا بھی میں نے حضرت سے سیکھا“۔

مزید ارشاد فرمایا: ”میں بہت گرم چائے اس لیے پیتا ہوں کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بہت گرم چائے پیتے تھے۔“ شوال ۱۳۵۲ھ میں صدر الشریعہ کے حکم پر مبارک پور اعظم گڑھ اتر پردیش میں خدمت دین کا مقصد لے کر پہنچے اور اپنے استاد محترم کے اعتماد ووقار کو ذرہ بھر ٹھیس نہ پہنچائی، پوری دل جمعی کے ساتھ میدان عمل کے اس دشوار ترین سفر کو جاری رکھا اور بے طرح کامیابی حاصل کی، اس چھوٹے سے مدرسے کو جہاں معیار تعلیم فارسی، نحومیر، پنج گنج تک تھا تھوڑے ہی عرصے میں دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم میں تبدیل کردیا، جس کا سنگ بنیاد ۱۳۵۳ھ میں حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں اور حضور صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کے مقدس ہاتھوں رکھا گیا، جس میں حضور محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ لیکن جب دارالعلوم کی یہ عمارت اپنی تنگ دامنی پر شکوہ کناں ہوئی تو قصبہ مبارک پور سے باہر ایک وسیع خطہ زمین ایک شہرستان علم بسانے کے لیے حاصل کی

اور مئی ۱۹۷۲ء/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ میں ”الجامعۃ الاشرفیہ“ کا جشنِ تاسیس منایا گیا۔ جو اشرفیہ کی تاریخ میں تاریخ ساز تعلیمی کانفرنس کے نام سے مشہور ہوا اور آج بھی اس کانفرنس کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے، جہاں سے تحریک اشرفیہ کو ایک نئی جہت ملتی ہے۔

۶/ مئی ۱۹۷۲ء کو منعقد کی جانے والی اس تاریخی کانفرنس میں بے شمار مشائخ واساتذہ وعلما کے علاوہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفی رضا نوری، سید العلما سید آل مصطفی قادری برکاتی مارہروی، مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمن قادری اڑیسوی، شمس العلما قاضی شمس الدین جون پوری، خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی، مفتی مالوہ مولانا محمد رضوان الرحمن فاروقی، سلطان الواعظین علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری قدس سرہم جیسی عبقری شخصیات نے شرکت فرمائی اور الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس موقع پر اپنے خطاب میں حضور سید العلما نے فرمایا تھا:

”اشرفیہ اور حافظ ملت کے ساتھ آلِ رسول ہے اور جس کے ساتھ آلِ رسول ہے اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ ہیں ضرورت پیش آئی تو آل رسول اپنے مریدین ومخلصین کو ساتھ لے کر اس کے لیے ہر طرح کی قربانی پیش کرے گا۔“

اور شہزادۂ امام احمد رضا کی یہ دعا آج بھی اشرفیہ کی بنیادوں کو روحانی توانائی دے رہی ہے:

”دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور کو ایک عظیم سنی یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کی نیک کوشش کا میں خیر مقدم کرتا ہوں اور حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز صاحب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ انہیں اپنے عظیم مقاصد میں کامیاب فرمائے اور حضرات اہل سنت کو توفیق بخشے کہ وہ اشرفیہ عربی یونیورسٹی کی تعمیر میں حصہ لے کر دین کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت پوری فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں“۔

خانقاہ برکاتیہ کے نامور قلم کار پروفیسر سید جمال الدین اسلم مارہروی رقم طراز ہیں:

بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت کا آستانۂ علم وافتا شیخ کامل حضور مفتی اعظم کی قیادت میں ایک خانقاہ کی صورت میں منتقل ہو گیا، غالباً شیخ کامل نے اپنی حیات میں دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کی سرپرستی فرما کر ،اس کے احیا میں بھرپور تعاون عطا فرما کر، اسے حیات نو دے کر یہ طے فرما دیا تھا کہ یہ دارالعلوم اہل سنت کا علمی مرکز بنے گا اور بریلی شریف میں آستانہ رضویہ اہل سنت کی ایک مرکزی خانقاہ کی صورت میں مقبول عام ہوگی، مرشدان سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی روحانی عظمتوں کے طفیل اللہ رب العزت ان دونوں علمی اور روحانی آستانوں کو ہمیشہ قائم رکھے، آمین۔ (پیغام رضا، مفتی اعظم نمبر، ص:۳۳۵،۳۳۶)

جب یہ سلسلہ اور توانا ہوا تو نومبر ۱۹۷۳ء میں دوسری تعلیمی کانفرنس نے اشرفیہ کو شہرت وناموری کے اوج ثریا پر پہونچا دیا، یہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا خلوص اور بین العلماء والمشائخ ان کی مقبولیت ہی تو تھی کہ خانقاہ برکاتیہ، خانقاہ اشرفیہ اور خانقاہ رضویہ کے سجادہ نشینان ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جذبۂ دروں کے ساتھ اشرفیہ کو اپنے فیضان سے مالا مال کر رہے تھے حضور صدر الشریعہ کی دعائیں قدم قدم پر ان کی معاونت کر رہی تھیں۔

اس سلسلے میں حضور حافظ ملت کے رفقا وتلامذہ کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ مثلاً حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی، مولانا محمد شفیع اعظمی، قاری مولانا یحییٰ مبارک پوری، علامہ ارشد القادری وغیرہم اور اہل مبارک پور کی قربانیاں آج بھی تاریخ اشرفیہ اور تحریک اشرفیہ کے لیے اپنے وجود کا مسلم احساس کرا رہی ہیں جسے کسی طور فراموش نہیں کیا جاسکتا، ایسا نہیں ہے کہ ایک مکتب مدرسے میں اور ایک مدرسہ دارالعلوم میں اور دارالعلوم الجامعۃ الاشرفیہ میں یوں ہی تبدیل ہو گیا اور ہر عہد میں حالات سازگار ہی رہے ہوں، قدم بہ قدم در پیش ہونے والے خطرات اور رکاوٹ پیدا کرنے والی وجوہات کو اگر قلم بند کیا جائے تو یہ مضمون طویل ہو جائے گا اس لیے سر دست اسے قلم زد کرتے ہوئے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ ہزارہا طوفان آئے، ان گنت مشکل گھڑیاں پیش ہوئیں، خطرات کی آندھیاں چلیں لیکن حضور حافظ ملت، آپ کے رفقا، تلامذہ، معاونین کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہ ہوئی، بالآخر آپ نے اپنے ذہن میں جس یونیورسٹی کا خاکہ مرتب کیا تھا اور جو خواب پورے ہوش وحواس کی حالات میں دیکھا تھا اسے زمین پر اتار دیا اور وہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا۔ ذرا وہ خواب بھی ملاحظہ کرلیں، کیا آفاقی ذہن تھا، کیسی دور بینی ودور اندیشی تھی، واہ! سبحان اللہ!

”میں نے دارالعلوم اشرفیہ کو ترقی کی منزل پر پہنچانے کے لیے ”الجامعۃ الاشرفیہ، قائم کیا، اشتہار میں احباب نے بلا میری رائے کے اس کا ترجمہ بریکٹ میں عربی یونیورسٹی کر دیا، نہ میں نے عربی

یونیورسٹی قائم کی، نہ کر سکتا ہوں، الجامعۃ الاشرفیہ سے میرا مقصد درس نظامی کے منتہی طلبہ کو ہندی، انگریزی، عربی زبان کا صاحب قلم وصاحب لسان بنانا ہے تاکہ وہ ہندو بیرون ہند مذہب حق اہل سنت کی اشاعت کر سکیں، خیال تو بہت زمانہ سے تھا لیکن ہر کام کا وقت ہے، وقت آیا، ہوا، ہو رہا ہے، ان شاءاللہ تعالیٰ ہوگا"۔(ملفوظات حافظ ملت ص:۱۲۹)

ان جملوں کے بین السطور سے آپ کا جذبہ دروں صاف دکھائی دے رہا ہے اور آپ کے تعلیمی نظریات پر بھی کماحقہ روشنی پڑ رہی ہے الجامعۃ الاشرفیہ کے جشن تاسیس کے زریں موقع پر دارالعلوم اشرفیہ میں ابنائے قدیم کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انتہائی موثر اور رقت انگیز لہجہ میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ:"میں نے آج تک کوئی کاغذی اخبار واشتہار تو نہیں شائع کیا (حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ ارشد القادری، علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، مولانا قمر الزماں اعظمی اور دیگر موجود ممتاز شاگرد علما کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) یہ ہیں اشرفیہ کے وہ زندہ جاوید اخبارات واشتہارات جنھیں ہم نے بڑے اہتمام کے ساتھ خون جگر کی سرخیوں سے شائع کیا ہے۔" (ملفوظات حافظ ملت، ص:۱۳۳، ۱۳۴)

حضور حافظ ملت قدس سرہ العزیز نے تحریک اشرفیہ کا جس مشن کے تحت آغاز فرمایا تھا اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور مشائخ کے فیضان خصوصی سے وہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور آپ اپنے مقصد دینی میں کامیاب ہوئے، اس سلسلے میں اہل مبارک پور سے آپ کا وہ خطاب بڑا فکر انگیز اور تشکر آمیز ہے جو روانگی حج کے وقت فرمایا تھا:

"برادران اسلام! میری زندگی کا اہم مقصد دارالعلوم اشرفیہ ہے، میں نے اس کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا ہے۔ ۳۵ سالہ زندگی کا بڑا قیمتی وقت اس کی خدمت میں صرف کیا ہے، آپ حضرات کی مخلصانہ خدمات اور بے مثال قربانیوں سے یہ دارالعلوم اس منزل پر پہنچا کہ اپنی خصوصیات میں امتیازی شان رکھتا ہے، پورے ہندوستان پر اس کی خدمات کا سکہ ہے، ملک کے طول وعرض سے خراج تحسین وصول کرتا ہے، یہ مذہب وملت کا قلعہ ہے، بڑی وزنی اور شان دار درس گاہ ہے، اب یہ خادم جا رہا ہے آپ کے اشرفیہ کو آپ کے سپرد کرتا ہے آپ اس کو اپنا مقصد زندگی قرار دیں اور اپنی زریں خدمات سے ہمیشہ اس کی آبیاری کرتے رہیں، پورا خیال رکھیں کہ اشرفیہ کے کسی شعبہ میں تنزل وانحطاط نہ ہونے پائے، بلکہ آپ کی خدمات سے یہ آگے بڑھتا رہے، خداوند کریم آپ حضرات کو جزائے خیر دے، شاد وآباد رکھے۔ آمین۔

(حافظ ملت نمبر اشرفیہ، ص:۲۲۸، بحوالہ ملفوظات حافظ ملت ص:۱۲۸)

قارئین کرام! ذرا ایک ایک لفظ پر غور کریں اور حضور حافظ ملت کی خدمات دینیہ کی شفافیت، مقصد زندگی، درد وسوز، انقلاب آفریں اقدام، دوسروں کی معاونت کی سراہنا، اس تاریخی قلعے کو ناقابل تسخیر بنانے کی حد درجہ کاوشات آپ کا جذبۂ دینی، اشرفیہ کے لیے آپ کی مجنونانہ جدوجہد کا نقشہ نگاہوں میں محفوظ رکھیں۔

آپ نے متعدد بار اس خیال کا اظہار فرمایا کہ "میں نے اپنے کو ہمیشہ دارالعلوم اشرفیہ کا خادم جانا، خدمت ہی اپنا کام ہے، عہدہ اور اختیارات کا استعمال میرے خیال میں نہیں"۔ ایک انسان جب ایسا اخلاص اور پاک دل رکھتا ہے اور عہدہ ومنصب وسربراہی سے بے نیاز ہو کر خدمت دین وملت کو اپنا خاص مشغلہ بنا لیتا ہے تو رحمت الٰہی اس کی دست گیری فرماتی ہے اور غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے۔

حضور حافظ ملت کی تحریک اشرفیہ کی کامیابی کی کلید آپ کی بے پناہ بے نفسی، مشن کی ترقی کے لیے حد درجہ فکر اور اللہ کی ذات پر کامل توکل کو قرار دیا جائے تو بے جا اور غلط بات نہیں۔

خدمات واثرات: حضور حافظ ملت شیخ المشائخ مولانا شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے، حضور صدر الشریعہ سے بھی آپ کو خلافت حاصل تھی، جب آپ نے ۱۳۵۳ھ میں "باغ فردوس" دارالعلوم اشرفیہ کی توسیع کا منصوبہ بنایا اور اس میں حضور صدر الشریعہ، حضور اشرفی میاں علیہما الرحمہ کو مدعو کیا تو حضور اشرفی میاں کے نواسے اور نور دیدہ تلمیذ امام احمد رضا حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ حضور اشرفی میاں ۱۳۵۳ھ سے اخیر عمر تک دارالعلوم اشرفیہ کے سرپرست رہے، آپ کے وصال کے بعد سرپرستی کی ذمہ داری حضور محدث اعظم ہند نے قبول فرمائی۔ حضور محدث اعظم ہند دارالعلوم کے تعلیمی اور تربیتی نظام سے انتہائی مطمئن تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے دونوں صاحب زادگان شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اور ہاشمی میاں کو حضور حافظ ملت کی تربیت میں بھیجا، حضور مدنی میاں نے اعدادیہ سے دورۂ حدیث تک کی مکمل تعلیم دارالعلوم اشرفیہ میں حاصل کی۔ سن ۱۹۶۳ء میں وہاں سے آپ کی فراغت ہوئی، علامہ سید مدنی میاں نے حضور حافظ ملت کی صبح وشام کا نظارا کیا ہے، وہ آپ کے درد وسوز اور اخلاص ومجاہدانہ کردار کے چشم

دید گواہ ہیں۔ "حضور حافظ ملت کی زندۂ جاوید شخصیت" کے عنوان سے آپ لکھتے ہیں:

"ملت کا حافظ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملت کی حفاظت میں گزرا، جس نے ملت کی حفاظت فرمائی (۱)تقریر سے (۲) تحریر سے (۳)تدریس سے (۴)مناظرہ کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل سے (۵)اپنی زندگی کو اُسوۂ نبی میں ڈھال کر (۶) اپنی درس گاہ علم وادب سے جلیل القدر علما واساتذہ وخطبا واصحاب قلم ومناظرین ومتکلمین ومفسرین ومحدثین اوراصحاب افتا پر مشتمل ایک خدائی گروہ بنا کر (۷) خانقاہوں میں بیٹھ کر (۸) جامعہ اشرفیہ کے لیے زندگی وقف کر کے (۹)اسٹیج پر رونق افروز ہوکر (۱۰) اپنی درس گاہ علم وادب میں پلنے والے کواپنی نگاہ فیض سے اس منزل تک پہنچا کر کہ وہ عالمی شہرت کے مالک ہوجائیں۔ المختصر ملت کے حافظ نے ملت کی حفاظت کی ہر ان موثر ذرائع کو استعمال فرما کر جو ملت کی حفاظت کے لازمی وسائل تھے۔" (ماہ نامہ کنزالایمان دہلی جولائی ۲۰۰۵ء ص:۴۶)

شیخ الاسلام کے ان مختصر اور جامع اشارات نے حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دینی خدمات جلیلہ اور فیضان علمیہ کے اثرات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ واشگاف کر دیا کہ ان مختصر سے جملوں میں ایک جہان سمٹ کر آیا اور خدمات واثرات کا اجمالی تعارف ہوگیا۔

حضور حافظ ملت کا صرف یہی اہم اور امتیازی کارنامہ نہیں ہے کہ انہوں نے اشرفیہ قائم فرمایا۔ اس کے لیے جلیل القدر ماہر اساتذہ کی ٹیم جمع فرمائی، نصاب تعلیم ونظام تعلیم کو بہتر بنایا، میدان تدریس، تصنیف، بحث ومناظرہ تقریر وخطابت میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمایا بلکہ سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کی خدمت اور قوم کی ترقی کے ہر میدان کے لیے افراد کی تعیین فرمائی، شخصیت سازی کا فریضہ انجام دیا، تحریک اشرفیہ نے صرف ایک خطے کو متاثر نہ کیا بلکہ اہل سنت وجماعت کے ارباب علم ودانش، اصحاب تحقیق اور عوام وخواص کے لیے ایک عمدہ، دور رس تاثر چھوڑا، مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے افکار کی ترویج، تعلیمات کی تبلیغ اور تحقیقات کی اشاعت کے لیے علما کو راغب کیا، حضور صدر الشریعہ ومفتی اعظم ہند علیہما الرحمہ کی نشان دہی پر اس میدان کے لیے جان باز تیار کیے اور انہیں کام دے کر اس مشن کو آگے لے جانے کی تلقین کی۔

جس طرح امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ نے دینی خدمات کی اور مختلف میدانوں میں اپنے تلامذہ اور خلفا کی ایک جماعت کو دین کا فوجی بنا کر میدان کارزار میں تعینات کیا، درس وتدریس ہو، افتا وفتویٰ نویسی ہو، تحریر وتقریر ہو، سیاست وسماجیات ہو، بحث ومناظرہ ہو، انتظامی امور کی قائدانہ صلاحیتوں کا مناسب استعمال ہو غرض کہ متعدد محاذوں پر اپنے شاگردوں اور خلفا کی ٹیم روانہ کی، دونوں شہزادگان، ملک العلما، صدر الافاضل، صدر الشریعہ، محدث اعظم ہند، محسن ملت، مبلغ اسلام، شیر بیشۂ اہل سنت وغیرہم بے شمار نام ہیں اور ہزاروں ان ناموں سے جڑے ہوئے دینی کام، گویا امام احمد رضا نے دینی فتوحات وخدمات علمیہ کے لیے ایک فوج تیار کر دی تھی اور مذہب اہل سنت وجماعت کو استحکام مل رہا تھا، جس کے اثرات آج بھی باقی ہیں اور ان شاء اللہ عزوجل یہ تسلسل قائم وباقی رہے گا، حضور حافظ ملت کی ذات بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک نمایاں کڑی تھی اور آپ نے بھی دین کی خدمت کے مختلف محاذوں پر اپنے تلامذہ ومتوسلین کی ٹیم ارسال کی اور اسلام وسنیت کی بقاے دوام اور ترویج واشاعت اور خدمت علم نبوی کے لیے مکمل دور اندیشی کے ساتھ نئی نئی جہات کو دریافت کیا اور باقاعدگی کے ساتھ افراد کا انتخاب فرمایا، خود بھی کتابیں تحریر کیں، معارف حدیث، الارشاد، المصباح الجدید، فتاویٰ عزیزیہ، ارشاد القرآن، انباء الغیب، فرقہ ناجیہ، حاشیہ شرح مرقاۃ، یہ ساری تصنیفات آپ کے رشحات قلم کی اہم یادگار ہیں۔ ماہ نامہ اشرفیہ کا اجرا تحریر وصحافت کے میدان میں ایک بڑا ہی اہم اور افادیت سے بھرپور کارنامہ ہے، مولانا بدرالقادری مصباحی ہالینڈ، مولانا ڈاکٹر سید شمیم گوہر مصباحی، الہ آباد، حضرت قاری محمد یحییٰ اعظمی، مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی کی ادارت میں جس نے تحریر وقلم کے میدان میں بے پناہ خدمات پیش کیں، اب جامعہ اشرفیہ کے ایک فاضل استاد، مختلف کتابوں کے مصنف نوجوان خطیب اور ماہر قلم مولانا مبارک حسین مصباحی تقریباً بیس برس سے ماہ نامہ اشرفیہ کے مدیر اعلیٰ کے منصب پر فائز ہیں اور اپنے قلم زر نگار سے مختلف موضوعات کو مالا مال کر رہے ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ نے اب تک کئی خصوصی نمبرات شائع کیے ہیں جو اپنی جگہ پر ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں، مثلاً حافظ ملت نمبر، مجاہد ملت نمبر، صدر الشریعہ نمبر، پیغمبر اعظم نمبر، انوار حافظ ملت نمبر، تعلیمی کنونشن نمبر، غریب نواز نمبر، جشن شارح بخاری نمبر، فقیہ اعظم نمبر، سیدین نمبر، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر قابل ذکر ہیں۔

حضور حافظ ملت نے ۱۹۵۹ء میں سنی دارالاشاعت قائم فرمایا جس کے تحت فتاویٰ رضویہ جلد سوم تا جلد ہشتم کی طباعت واشاعت کا عظیم کارنامہ دیا جاچکا ہے۔

آپ کے تلامذہ میں شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ ارشد القادری، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، نصیر ملت علامہ نصیر الدین قادری، شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں اشرفی، مولانا وارث جمال قادری، مولانا بدرالدین احمد رضوی، سید جیلانی حامد اشرفی، علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ بدرالقادری مصباحی، علامہ یٰسین اختر مصباحی، علامہ قمر الزماں اعظمی، علامہ عبدالمبین نعمانی قادری، علامہ عبداللہ خاں عزیزی، علامہ عبد الشکور مصباحی وغیرہم یہ وہ شخصیات ہیں جو اپنی جگہ آفتاب وماہ تاب ہیں اور ہندو پاک کے اہل علم جن کی علمی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہیں ان حضرات نے نہ صرف درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں نمایاں کارنامہ انجام دیا، بلکہ ملک وبیرون ملک ان کی دعوتی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، مختلف تعلیمی اداروں کے قیام، تحریری واشاعتی مراکز کا قیام، مساجد وتربیتی مراکز کا قیام ان کی مساعی جمیلہ سے عمل میں آیا، پاکستان میں حضرت مفتی ظفر علی نعمانی مصباحی بانی دارالعلوم امجدیہ کراچی، نیپال میں مفتی جیش محمد برکاتی، کراچی ہی میں شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ قاری رضاء المصطفیٰ اعظمی، انگلینڈ میں علامہ قمر الزماں اعظمی، ہالینڈ میں علامہ بدرالقادری مصباحی، مختلف ممالک میں علامہ ارشاد القادری، مدینہ منورہ میں علامہ افتخار احمد قادری، گھوسی میں علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، چریاکوٹ میں علامہ عبدالمبین نعمانی وغیرہم جیسے فرزندان اشرفیہ دینی وعلمی کاموں میں مصروف ہیں۔ مدراس قائم کیے، مساجد بنوائی، رسائل وجرائد کا اجرا کیا، کتابیں لکھیں، امامت وخطابت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، تدریس وافتامیں مشغول ہیں۔

بالخصوص افکار امام احمد رضا کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں فرزندان اشرفیہ کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ فتاویٰ رضویہ کی اشاعت وطباعت، جد الممتار کی اشاعت، سوانح اعلیٰ حضرت، ماہ نامہ تجلیات ناگپور کا امام احمد رضا نمبر، ماہ نامہ المیزان ممبئی کا امام احمد رضا نمبر، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، امام احمد رضا اور تصوف، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، امام احمد رضا کا محدثانہ مقام، عشق رضا کی سرفرازیاں، مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا، فن تفسیر میں امام احمد رضا کا امتیاز، افکار رضا، تذکرۂ رضا، معارف کنزالایمان، ارشادات اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا کے ایمان افروز وصایا، جیسی اہم اور مستند ومحقق کتابیں فرزندان اشرفیہ اور حضور حافظ ملت کے خوشہ چینوں نے خاص امام احمد رضا کے افکار وتحقیقات پر تصنیف کیں اور اس باب رضویات میں اولیت کا سہرا اپنے سر سجایا، اور آج بھی تقریر وتحریر، تصنیف وتحقیق کے ذریعہ یہ سلسلہ جاری ہے اور مصباحی برادران اپنا علمی فیضان عام کررہے ہیں۔ دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے۔ مسلک امام احمد رضا کا فروغ بھی ہو رہا ہے، مدارس کی بنیادیں رکھی جارہی ہیں، اساتذہ کی ٹیم تیار ہو رہی ہے۔ جامعہ اشرفیہ کے زندہ دل اور مخلص ذمہ داران نے ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی مبارک پور کے نام سے ایک بورڈ قائم فرمایا تاکہ وقت کے مفتیان کرام اور محققین عظام کی ٹیم بیٹھ کر امت مسلمہ کو درپیش مختلف لاینحل مسائل کے حل کے لیے بحث ومذاکرہ کرے اور کسی خاص نکتے پر اتفاق رائے سے فیصلہ ہوسکے، اس کے تحت مختلف موضوعات پر ۱۹۹۳ء سے ۲۰۱۱ء تک اٹھارہ کامیاب ترین فقہی سمینار منعقد کیے جاچکے ہیں، یہ بھی تدوین فقہ حنفی کی بہت بڑی خدمت ہے جو بے حد سراہے جانے کے قابل ہے، اس کی تقلید میں اب تک کئی سمینار بورڈ تشکیل دیے جاچکے ہیں اور ہندو بیرون ہند اپنی اپنی جگہ کامیاب سمینار منعقد کروا رہے ہیں، اس میں اولیت اشرفیہ کے ارباب حل وعقد کو حاصل ہے۔ یکم جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ/۳۱ مئی ۱۹۷۶ء بروز دوشنبہ گیارہ بج کر ۵۰ منٹ پر شب میں حضور حافظ ملت کا وصال ہوا، نماز جنازہ آپ کے صاحب زادے سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ علامہ عبدالحفیظ عزیزی نے پڑھائی، جامعہ اشرفیہ ہی کے صحن میں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے، یہ شمع اگرچہ بجھ گئی لیکن ہزاروں چراغ جو اس سے جل اٹھے ہیں وہ تو جل رہے ہیں، علم کی روشنیاں عام ہو رہی ہیں، فیضان حافظ ملت سے دنیا اکتساب فیض کررہی ہے۔ اخیر میں بس اتنا کہوں گا۔

جس نے پیدا کیے کتنے لعل وگہر
حافظ دین وملت پہ لاکھوں سلام

بھوج پور سے مبارک پور تک کا مبارک سفر

مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی

جماعت اہل سنت کے لیے وہ کتنی فیروز بخت ساعت تھی جب انیسویں صدی کی آخری دہائی کے وسط میں ضلع مراد آباد کے قصبہ بھوج پور میں حافظ محمد غلام نور قدس سرہ کے آنگن میں ایک بچہ تولد ہوا، وہ بچہ کیا تھا، اس کی پیشانی سے سعادت کا نور ٹپکتا رہتا تھا۔ ایامِ طفولیت سے ہی اس کی آنکھوں سے شرافت کے پیمانے چھلکتے تھے، وفا شعاری تو اس کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی تھی، ننھی سی عمر سے ہی اس نے احکامِ شرعیہ کی پابندی کا جامہ زیب تن کر لیا تھا اور اطاعتِ والدین کی خوش نما چادر لپیٹ کر وہ اتنا حسین و خوب صورت ہو گیا تھا کہ اپنی ہی آبادی کے بچوں میں دور سے ہی پہچان لیا جاتا تھا۔ کہنے کو تو وہ نہ کسی عظیم خانقاہ کا فرزند تھا اور نہ ہی کسی رئیس و نواب کا نورِ نظر تھا، اس لیے نہ تو اسے ”پدرم سلطان بود“ کا نعرہ یاد تھا اور نہ ہی اسے اپنی خاندانی جاہ و حشمت پر کوئی افتخار تھا، وہ ایک غیر معروف مگر دین دار گھرانے کا فرزندِ ارجمند تھا، اسے اپنی کائنات خود آراستہ کرنی تھی۔ وہ اہلِ سنت کا نشانِ افتخار بن کر بحر و بر کی وسعتوں میں چھا جانے کا حوصلہ رکھتا تھا، اس کے والدین کریمین نہایت ہی پاک طینت اور شرعِ مطہر کے پابند تھے، اس لیے ان کے آغوشِ کرم میں پرورش پانے والا وہ بچہ بھی سعادت کے انوار میں نہاتا چلا گیا۔ قدرت اس کی رہ نمائی کرتی رہی، فضلِ حق کی چھاؤں میں وہ زندگی کی صبح و مسا گزارتا رہا اور اپنے والد مکرم کے زیرِ سایہ حفظِ قرآن کی تکمیل کر کے حافظِ قرآن بن گیا۔ ابھی اس نے فارسی کی چند ہی کتابوں کی تکمیل کی تھی کہ گھریلو ذمہ داریاں اس کے سر پر آ کر سوار ہو گئیں۔ اس طرح تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے بھوج پور کی ہی ایک عالی شان مسجد میں امامت و تدریس کا فریضہ انجام دینے کے لیے وہ معمور ہو گیا۔ انقطاعِ تعلیم کا اسے بے حد قلق تھا۔ وہ بہت مضطرب تھا، مضمحل تھا، اسے معلوم تھا کہ اس کے جدِ امجد نے بارگاہِ رب العلیٰ میں اس کے عالمِ دین بننے کی دعا مانگی ہے۔ وہ اسی بحرِ فکر میں غوطہ زن رہتا کہ میرا نصیبہ کب بیدار ہوگا، کب میرے طالع کے آفاق پر علم و حکمت اور فضل و تدبر کا اجالا مسکرائے گا۔ کبھی کبھی وہ اپنی مادرِ محترمہ سے پوچھ بیٹھتا، امی جان! دادا محترم کی دعا شرفِ قبولیت سے کب سرفراز ہوگی؟ لیکن فطرت اس کی اس ادائے دل فریب پر مسکرا رہی تھی اور بار بار اس کے کانوں میں کہہ رہی تھی، اے سعادت مند نوجوان! تیرے دادا جان جب تیرے لیے علم و فضل کی دعا کر رہے تھے تو وہ قبولیت کا وقت تھا، ان کی دعا جیسے ہی آسمان دنیا سے آگے بڑھی تو بابِ اجابت جھوم گیا۔ قبولیت نثار ہو گئی، اہلِ سنت کی زمین پر ہر طرف مسرت کے پھولوں کی بارش ہونے لگی اور اس کی خوشبوؤں سے جہانِ سنیت کی فضائیں معطر و مشک بار ہو گئیں۔ عن قریب ان کی دعا کی مقبولیت کے آثار نمایاں ہونے والے ہیں، جب تو امامت و تدریس حفظ کا فریضہ چھوڑ کر تحصیلِ علمِ نبوت کے لیے اپنی آبادی سے نکل پڑے گا۔ اپنے دور کے بے مثل مجدد کے تلمیذ ارشد کی شفقتوں کے ہجوم میں جملہ علوم و فنون کی تکمیل ہوگی اور پھر تو عالمِ بے بدل بن کر زمانے میں مشہور تر ہو جائے گا۔ اے خوشا نصیب! وہ کتنا پر کیف منظر ہوگا جب تیرے قدموں کی برکت سے ملک کا ایک گم نام قصبہ بھی علم و حکمت کی آماجگاہ بن جائے گا اور اس سرزمین پر زمرقند و بخارا کے علوم و فنون سمٹ کر آجائیں گے۔

وہ کتنی مبارک گھڑی ہوگی جب پانچ سال تک امامت و تدریس کا فریضہ انجام دینے کے بعد حافظ غلام نور قدس سرہ کا نورِ نظر علومِ شرعیہ کی تحصیل کے لیے اپنے آبائی وطن سے مراد آباد کے لیے عازمِ سفر ہوا ہوگا۔ یقیناً اپنے بیٹے کو اس مبارک سفر پر جاتے دیکھ کر والدین کریمین کی پلکیں مسرت و شادمانی سے بھیگ گئی ہوں گی۔ ایسے روح پرور موقع پر جنت الفردوس کا راستہ آسان ہو جانے کی بشارت اس طالب علم کے کانوں میں رس گھول رہی ہوگی۔ نورانی فرشتے اس کی رضا کے لیے پر بچھا رہے ہوں گے۔ سمندر کی مچھلیاں اس کے لیے دعائے مغفرت کر رہی ہوں گی۔ آسمان اس کی بلند اقبال پیشانی کو دیکھ کر رشک کر رہا ہوگا اور ستارے اس کے عروجِ فکر کو دیکھ کر سہم گئے ہوں گے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

شاید آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کس عظیم المرتبت ذات گرامی کے ذکر کی خوشبو سے آپ کے ذہن و فکر کے دریچے کو معطر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ حافظ محمد غلام نور صاحب کا یہی لختِ جگر آگے چل کر حافظ ملت جلالۃ العلم، محدث مراد آبادی بانی جامعہ اشرفیہ حضرت علامہ الحاج عبد العزیز نور

ڈائریکٹر تحریک اصلاح ملت، مظفر پور (بہار)

اللہ مرقدہ بن کر اہلِ سنت کے علم وفضل اور رشد وہدایت کے آسمان کا ایسا بدرِ کامل ثابت ہوا جس کی روشنی ہر مقام پر اہلِ عشق ووفا کو روشنی و تابندگی عطا کرتی رہی اور کرتی رہے گی۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ حافظ ملت نے جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں داخلہ لے کر شرح جامی اور قطبی وغیرہ کی تکمیل کی۔ اب اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے آپ کی نگاہیں ایک ایسے استاذِ کامل کی تلاش میں سرگرداں تھیں جس کے زیرِ سایہ رہ کر آپ نورِ علم کے ساتھ ساتھ حسنِ عمل کی دولت سے بھی خوب خوب بہرہ مند ہوسکے۔ جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی طالب علمی کے زمانے میں ہی وہاں آل انڈیا سنی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں خطابت کے لیے ملک کے مشاہیر علما مدعو کیے گئے۔ اس موقع پر صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی قدس سرہ کی بھی تشریف آوری ہوئی۔ ان دنوں حضرت صدر الشریعہ اجمیر معلی میں آستانۂ شہنشاہِ ہند کے قریب دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں اپنے علم وفضل کا دریا بہا رہے تھے اور ملک کے بے شمار خطوں سے تشنگانِ علوم کے قافلے وہاں پہنچ کر سیرابی حاصل کر رہے تھے۔ حافظِ ملت نے جب آپ سے تحصیلِ علوم کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے بخوشی انھیں اجمیر شریف آنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

۱۳۴۲ھ کا وہ نہایت ہی خوش گوار موسم تھا جب حافظ ملت، حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی، حضرت مولانا شمس الدین جون پوری، مولانا قاری اسد الحق اور حافظ ضمیر حسین مراد آبادی جیسے رفقائے گرامی کے ہم راہ مراد آباد سے اجمیر مقدس کے لیے روانہ ہوگئے۔ اپنے دور کی نابغۂ روزگار شخصیتوں کا یہ مختصر قافلہ شب کی تاریکی میں راج دھانی دہلی کے دار العلوم نعمانیہ میں اقامت گزیں ہوا اور بیاضِ سحر نمودار ہونے کے بعد پسنجر ٹرین سے اجمیر معلی کے لیے روانہ ہوگیا۔ سفر کی صعوبتوں کو جھیلتے ہوئے دوسرے دن دس بجے صبح میں یہ قافلہ خواجہ خواجگاں شہنشاہِ ہندوستاں کی نگری میں داخل ہوگیا۔ دار العلوم معینیہ پہنچنے کے بعد داخلے کی کارروائی عمل میں آگئی اور پڑھنے کے لیے لائبریری سے کتابیں بھی دستیاب ہوگئیں، مگر خورد ونوش کا انتظام دو ماہ بعد دار العلوم کی مجلس شوریٰ کی میٹنگ کے بعد ہوا۔ یہ دو ماہ کا عرصہ روٹی اور نمک مرچ کھا کر بلکہ بسا اوقات بھوکے رہ کر ان وفا شعارانِ اسلام نے اس طرح گزار دیے کہ اسلافِ قدیم کی یادیں تازہ ہوگئیں۔

یہ اجمیر معلی کی سرزمین تھی۔ عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کے فیضان وکرم کے چشمے ہر وقت یہاں ابلتے رہتے تھے۔ کائنات کے مختلف بلاد وامصار سے عقیدت مندوں کا ہجوم ہر وقت یہاں لگا رہتا تھا۔ خواجہ کی دہلیز کیا کم تھی کہ صدر الشریعہ نے اسی شہر میں اپنے علم وفضل کی درس گاہ سجا رکھی تھی۔ ان دونوں خاصانِ خدا کے فیوض وبرکات کی موسلا دھار بارش میں بھیگ بھیگ کر نکھرنے والوں میں طالب علموں کی ایک جماعت تھی جس میں مجاہدِ ملت مولانا حبیب الرحمٰن دھام نگری، امین شریعت مفتی رفاقت حسین مظفر پوری، شمس العلما قاضی شمس الدین جون پوری، حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مراد آبادی، فخر الاماثل مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری، رئیس الاذکیا مولانا غلام یزدانی گھوسی، رئیس الاتقیا مولانا سردار احمد گورداس پوری وغیرہم تھے۔ اپنے اپنے زمانے میں علم وحکمت کے یہ پہاڑ، فضل وکمال کے یہ کوہ ہمالہ اور تدبر وبصیرت کے یہ آفتاب وماہ تاب جب اپنی طالب علمی کے دور میں اجمیر کی گلیوں سے گزرتے ہوں گے تو کیسا نور کا سماں بندھ جاتا ہوگا۔ اور پھر صدر الشریعہ مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوتے ہوں گے قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کی دل نواز صدائیں اجمیر کی فضاؤں میں گونجتی ہوں گی اور مذکورہ بالا مقدس نفوس قدسیہ زانوے تلمذ طے کیے، محظوظ ہوتے ہوں گے۔ تاریخ درس وتدریس کا یہ کتنا سنہرا باب ہے۔ کاش زمانہ پیچھے کی طرف لوٹ جاتا اور ہم اپنی آنکھوں سے وہ نورانی منظر دیکھ لیتے۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

حافظِ ملت نے اپنے انھیں مذکورہ رفقائے گرامی کے جھرمٹ میں اجمیر معلی کی سرزمین پر علومِ نبوت کی تکمیل کی لیکن دستار بندی کی رسم ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں منظرِ اسلام بریلی شریف میں ادا کی گئی۔

رسم دستار بندی کے ایک سال بعد ۱۳۵۲ھ میں ایک دن صدر الشریعہ نے حافظِ ملت کو بریلی شریف طلب فرمایا۔ حکم نامہ ملتے ہی آپ مراد آباد سے بریلی شریف حاضرِ خدمت ہوئے۔ صدر الشریعہ نے ارشاد فرمایا کہ میں ہمیشہ اپنا علاقہ اعظم گڑھ سے دور رہا، اس لیے ہمارے علاقے پر غیروں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ آپ مبارک پور تشریف لے جائیں اور وہاں مدرسہ مصباح العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے کر خدمتِ دین کا مقدس فریضہ انجام دیں۔ حافظ ملت نے عرض کیا: حضور میں ملازمت کرنا نہیں چاہتا۔" اس پر صدر الشریعہ نے فرمایا: میں نے آپ کو ملازمت کے لیے کب کہا ہے۔ میں تو آپ کو مبارک پور خدمت دینِ متین کے لیے بھیج رہا ہوں۔ کریم استاذ کے ایک اشارے پر وفا شعار شاگرد نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

مبارک پور آنے سے پیش تر آگرہ جیسے عظیم شہر سے سو روپے ماہ وار اور

کولکاتا جیسے مشہور و معروف شہر سے ۵۰۰ روپے ماہانہ پیش کش تھی مگر آپ نے دونوں مقامات کو پسند نہیں فرمایا اور مبارک پور صرف ۳۵/ روپئے مشاہرہ پر تشریف لائے۔ قدرت جب کسی سے عظیم کام لینا چاہتی ہے تو اسے غیر معمولی ایثار و قربانی کا پیکر بنا دیتی ہے۔ حافظ ملت کے اندر یہی وہ اخلاص و ایثار کا جذبہ تھا، جس نے ان سے وہ کام لے لیا جو ہزاروں کی جماعت بھی انجام نہیں دے سکتی۔ کہاں ۳۵/ روپئے اور کہاں ۵۰۰ روپے۔ گویا چودہ گونہ سے زیادہ تنخواہ اور وہ بھی معروف شہر کی جگہ۔ اسے چھوڑ کر وہ مبارک پور کے دیہات میں کیوں کر تشریف لے آئے، خدا جانے وہ مبارک پور کی مٹی میں کیا دیکھ رہے تھے، شاید وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ آگرہ اور کولکاتا جیسے شہروں میں دولت و ثروت تو اکٹھا کر سکتا ہوں لیکن نونہالانِ امت کے لیے وہاں جامعہ اشرفیہ کی عمارتوں کی تعمیر تو نہیں کر سکتا۔ یہ کام تو اسی مبارک پور کی دھرتی پر پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ اسی مبارک پور کی مٹی سے علم و حکمت کے شرارے پھوٹیں گے اور شرق و غرب کو روشنی و درخشندگی عطا کرتے چلے جائیں گے۔ اے مبارک پور کی دھرتی! تجھے مبارک ہو کہ تجھ پہ حافظ ملت تشریف لے آئے، ان کے قدموں کی برکت سے تیری گم نامی کو شہرتِ دوام مل گئی۔ ان کے شبانہ روز کی تگ و دَو کے نتیجے میں تجھے مرکز علم و ادب بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔ تیرے آنچل میں ہزاروں علما و مشائخ پرورش پائے اور دنیا کے مختلف حصوں میں خدمتِ دین متین کے لیے پھیلتے چلے گئے۔ وہ جدھر سے گزرے تیری یاد ان کے دامن سے وابستہ رہی، وہ جہاں گئے تیری شہرت پھیلتی چلی گئی:

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

حضور صدر الشریعہ کے ایما پر حافظِ ملت نے اپنا رختِ سفر باندھا اور شوال ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء کے ایک خوب صورت چمکتے ہوئے دن میں مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں تشریف لے آئے۔ حافظِ ملت کی آمد کیا ہوئی کہ مبارک پور کی گلیوں میں بہاریں جھومنے لگیں۔ درس و تدریس کے فرائض انجام دینے کے ساتھ دعوت و تبلیغ، وعظ و نصیحت اور رشد و ہدایت کے لیے آپ نے خود کو وقف کر دیا۔ نتیجے کے طور پر مبارک پور کی سسکتی ہوئی سنیت کے چہرے پر بشاشت کی لہر دوڑ گئی۔ وہاں کی فضاؤں میں عشق و وفا کے ترانے گونجنے لگے۔ اہلِ سنت کے کاشانوں میں مسرتوں کے شادیانے بجنے لگے۔ لیکن دوسری طرف اعدائے دین کے ایوانوں میں ایک کہرام سا برپا ہو گیا۔ فاضلِ دیوبند مولوی شکر اللہ صاحب مضطرب ہو گئے کہ جماعت اہل سنت ارتقا کی منزلیں اگر یوں ہی طے کرتی رہی تو ہمارا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ ان کے ذہن و فکر میں فوراً ایک ترکیب سوجھی، انھوں نے حافظِ ملت اور ان کے مذہب عشق و عرفان کے خلاف ایک جلسہ منعقد کر دیا۔ حافظِ ملت نے دوسری ہی شب جوابی جلسہ منعقد کر کے ان کا ردِ بلیغ فرمایا اور ان کے باطل عقائد و نظریات کو دلائل و براہین کی روشنی میں لوگوں کی نگاہوں میں آشکارا کر دیا۔ تیسری شب بد عقیدوں نے پھر جلسہ کیا تو حافظِ ملت نے چوتھی شب ان کا منہ توڑ جواب دیا۔ اس طرح دو چار شب نہیں بلکہ مسلسل چار ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مولوی شکر اللہ نے حافظِ ملت کو شکست دینے اور ان کو مبارک پور چھوڑنے پر مجبور کرنے کے لیے اپنے ہم نوا علما کی ایک زبردست ٹیم تیار کر لی تھی۔ ادھر حافظِ ملت تنِ تنہا تھے، ان کی تدریس کا ابتدائی دَور تھا۔ فراغت کا دوسرا سال تھا۔ مدرسہ کو ارتقائی منزل سے گزارنے کی فکر میں سرگرداں رہنا، مدرسہ کے لیے چندہ کرنا، مخیر و مخلص حضرات سے ملنا، تن تنہا درجن سے زیادہ درسی کتابیں پڑھانا، طلبہ کو ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت سے آشنا کرنا، گویا دن میں گوناگوں مصروفیتوں کا ہجوم اور شب میں مناظرانہ جلسے کو خطاب کرنا۔ سوچیے! اس فاضل جواں سال کے لیے کتنا دشوار مرحلہ تھا۔ لیکن جب حق، اخلاص و وفا کے ساتھ باطل کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا ہے تو اس کی مدد کے لیے آسمان سے تائیدِ غیبی کا نزول اجلال ہونے لگتا ہے، پھر تو کفر و ضلالت کے صحراؤں میں حق کا سفیدۂ سحر طلوع ہوتا ہے اور اس کے جلوؤں سے گم راہی و بد عقیدگی کی تاریکیاں کافور ہو کر رہ جاتی ہیں۔ مبارک پور میں مسلسل چار ماہ تک حق و باطل کی خوں ریز جنگ ہوتی رہی۔ اخیر میں مبارک پور کے آسمان نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا کہ حافظ ملت کے جاہ و جلال، علم و فضل اور ہمت و استقامت کی ننگی تلوار نے باطل قوتوں کو شکست و ہزیمت کی ذلتوں سے دو چار کر کے راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور حق و صداقت کے ہاتھوں اسی مبارک پور کی گلیوں میں اہلِ سنت کی فتح و نصرت کا پرچم لہرانے لگا۔

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لا تخف

حافظِ ملت اب مناظرانہ جلسوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ ۱۹۳۴ء کا زمانہ تھا، ایک سال کی خدمات کے نتیجے میں آپ کی تدریسی شہرت دور دراز حصوں میں پہنچ چکی تھی۔ طلبہ کثیر تعداد میں آنے لگے تھے، یہاں تک کہ مدرسہ کی عمارت تنگ ہونے لگی تھی۔ طلبہ کی کثیر تعداد کو دیکھ کر حافظ ملت نے مدرسہ اشرفیہ کو دار العلوم اشرفیہ کی شکل میں تبدیل کرنے کا عزم مصمم کر لیا

، آج جمعہ کا دن تھا۔ مبارک پور میں ہر طرف چہل پہل دکھائی دے رہی تھی۔ اذانِ جمعہ ہوتے ہی مسلمانانِ مبارک پور راجہ مبارک شاہ مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ نمازِ جمعہ کے بعد حافظِ ملت نے دار العلوم کی تعمیر وترقی کی اہمیت پر نہایت ہی شان دار اور بلیغ خطبہ دیا۔ اہلِ مبارک پور کو اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی تلقین فرمائی جس سے اہلِ مبارک پور کے دلوں میں قیامِ دار العلوم سے متعلق عشق کی حد تک لگاؤ پیدا ہو گیا۔

ان دنوں مبارک پور میں چندہ کرنے کا رواج بڑا دل کش و دل فریب ہوا کرتا تھا۔ مدرسہ کے طلبہ، اساتذہ، قصبہ کے رؤسا، شرفا، اور سیکڑوں افراد پر مشتمل عوام اہلِ سنت کا حسین قافلہ مبارک پور کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا کسی صاحبِ دل کے دروازے پر کھڑا ہو جاتا۔ حافظِ ملت ان دیوانگانِ عشق کے ہجوم میں میرِ قافلہ کی حیثیت سے ایسے لگتے جیسے بلبلوں کی انجمن میں کوئی گلاب کھل گیا ہو۔ قافلہ میں رجزیہ نظمیں پڑھی جاتیں۔ اس وقت اہلِ خانہ کی سخاوت وفیاضی کا منظر قابلِ دید ہوا کرتا۔ ادارے کی تعمیری ارتقا کے لیے وہ روپیوں کی برسات کر دیتے۔ دولت وثروت کے دریا بہا دیتے، بلکہ بعض حضرات کو گائے، بیل، بھینس اور بکریاں تک مدرسے کے حوالے کر دیتے۔ مبارک پور کی بچیاں اپنے کانوں کی بالیاں چندے میں دے ڈالتیں اور وہاں کی عورتیں اپنے زیورات اور کنگن و پازیب دے کر اپنی قسمت پر شاداں وفرحاں نظر آتیں۔ مبارک پور والوں کے جذبہ ایثار وقربانی کو دیکھ کر بسا اوقات حافظِ ملت کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے، بے ساختہ ان کے دست ہائے مبارک دعا کے لیے دراز ہو جاتے۔ اہلِ مبارک پور کو وہ اپنی نیک دعاؤں سے سرفراز فرماتے۔ سارا قافلہ آمین کہتا، نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی دل افروز صداؤں سے مبارک پور کے در و دیوار گونج اٹھتے اور پھر قافلہ آگے کی طرف چل پڑتا۔

اشرفیہ کے عروج وارتقا میں مبارک پور کے مخلص مسلمانوں نے جتنی عظیم قربانیوں کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر دور دور تک دیکھنے کو نہیں ملتی۔ جب بھی کوئی مورخ اشرفیہ کی تاریخ لکھے گا تو ان وفا شعاران مبارک پور کو فراموش کر کے وہ تاریخ اشرفیہ کی تکمیل نہ کر سکے گا۔ آج بھی اشرفیہ کے در و دیوار پر سنہرے حرفوں میں منقش اعوان وانصارِ مبارک پور کے اسمائے گرامی کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتے کہ ان عمارتوں کی تعمیر وتشکیل کے لیے انھوں نے حافظِ ملت کے قدموں میں اپنی حیات وکائنات نچھاور کر دی تھی۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ حافظِ ملت نے مدرسہ اشرفیہ کو دار العلوم اشرفیہ کی شکل میں تبدیل کرنے کا منصوبہ تجویز فرمایا اور اس کو عمارت کی شکل میں زمین پر اتارنے کے لیے مستعد ہو گئے۔ اہلِ مبارک پور کے لیے وہ کتنا مبارک دن تھا جب حضور اشرفی میاں کچھوچھوی حضور محدث اعظم ہند اور حضور صدر الشریعہ اپنے ورودِ مسعود سے مبارک پور کی زمین کو شرف بخش رہے تھے۔ ان مقدس ہستیوں نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے دار العلوم اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور اپنی نیک دعاؤں سے ادارے کو سرفراز فرمایا۔ حافظِ ملت کی مسلسل مشقت وجفا کیشی کی چھاؤں میں دار العلوم اشرفیہ ارتقا کی منزلیں طے کرتا رہا اور اس طرح ۱۹۴۴ء میں اس کا تعمیری کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

یہی وہ اشرفیہ ہے جس کے احاطے میں حافظِ ملت کے علم وحکمت کا فیضان آسمان کے بادل کی طرح برس رہا تھا اور بحرِ ہند کے ساحل سے لے کر کشمیر کے کہساروں تک بلکہ ملک وبیرون ملک کے تشنگانِ شوق کے قافلے اپنے علم وفکر کی پیاس بجھانے کے لیے مبارک پور کی سرزمین پر اتر رہے تھے۔ اسی مبارک پور کی دھرتی پر اپنے وقت کے رازی وغزالی پیدا ہو رہے تھے اور سرحد کی فصیلوں کو عبور کر کے دنیا کے مختلف خطوں میں توحید و رسالت کے جھنڈے بلند کر رہے تھے۔ آج برطانیہ کے شہروں میں جو قرآن مقدس کا لاہوتی نغمہ گونجتا ہے، ہالینڈ کی فضاؤں میں جو کتاب وسنت کی صدائیں سنائی دیتی ہیں اور امریکہ کی سرحدوں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں تک جو عشقِ نبوت کے جلوؤں کی تابانی نظر آتی ہے ان تمام میں حافظِ ملت کے روحانی فرزندوں کی مساعیِ جمیلہ شامل ہے۔ حافظِ ملت نے اشرفیہ کے چمنستانِ کرم میں علم وحکمت کے ایسے ایسے پھول کھلائے جس کی خوشبوؤں سے کائناتِ ارضی کی فضائیں مہک اٹھیں۔ وہ اپنی درس گاہ عظمت سے فضل و دانش کے ایسے ایسے دیپ جلائے جس کی کرنوں سے یورپ و ایشیا جگمگا اٹھے۔ حافظِ ملت کی یہی وہ عظیم خدمات ہیں جن کی بنیاد پر آج بھی اشرفیہ کے در و دیوار سے یہ صدائیں آتی رہتی ہیں:

جس نے پیدا کیے کتنے لعل وگہر ... حافظ دین وملت پہ لاکھوں سلام

۱۹۷۰ء کے قریب جب دار العلوم اشرفیہ کی عمارتیں بھی طلبہ کی کثرت ہجوم کے سبب اپنی تنگیِ داماں کا شکوہ کرنے لگیں تو حافظِ ملت کو ایک ایسی عظیم الشان دانش گاہ کے قیام کی فکر دامن گیر ہوئی، جو عالمِ اسلام میں اپنی شناخت رکھے اور جہاں سے ہمیشہ علمائے حق کی بار آور نسلیں پیدا ہوتی رہیں۔ چناں چہ اس عظیم مقصد کے پیشِ نظر مبارک پور کے لق ودق صحرا میں ۳۳/ ایکڑ زمین کی خریداری عمل میں آگئی۔ حافظِ ملت نے جب اعلیٰ پیمانے پر تعمیری سرگرمیوں کے آغاز کا منصوبہ مرتب فرمایا تو ان کے راستوں میں مخالفتوں

کے پہاڑ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب آپ کی نگاہوں میں یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ یہ کام مبارک پور میں پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے گا تو آپ نے اپنی دینی اور تعمیری سرگرمیوں کی جولان گاہ کے لیے بلرام پور کو منتخب فرمالیا، کیوں کہ وہاں کے چند باہمت اور حوصلہ مند افراد نے عظیم دینی درس گاہ کے قیام کے لیے سو بیگھے زمین دینے کا وعدہ کرلیا۔ جب اہلِ مبارک پور کو حافظ ملت کے مذکورہ ارادے کی اطلاع ہوئی تو ان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ انھوں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور سارے وفادارانِ حافظِ ملت پکار اٹھے۔ حضرت کی جدائی کسی بھی صورت میں ہم کو گوارا نہیں۔ انھیں جو کرنا ہے وہ اسی مبارک پور کی سرزمین پر کریں۔ ہماری جان و مال اور دولت و سرمایہ سب کے سب ان کے قدموں پر نثار ہونے کو بے قرار ہیں۔ اگر انھوں نے اپنا ارادہ نہیں بدلا تو ہم اپنے بچوں کے ساتھ ان کے کاشانۂ اقدس پر دھرنے دے دیں گے اور اس وقت تک اپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹیں گے جب تک وہ اپنا ارادہ نہیں بدل لیں گے۔

یہ اہلِ مبارک پور کی اخلاص و وفا کی آنسوؤں میں بھیگی ہوئی ایسی والہانہ گزارش تھی جیسے بادلِ ناخواستہ حضرت کو قبول کرنا پڑا اور انھوں نے بلرام پور تشریف لے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ حافظِ ملت کے اس فیصلے سے مبارک پور اور اس کے قرب و جوار میں ہر طرف مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ پھر آپ کے فکر و عمل اور سعیِ پیہم کا قافلہ منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گیا۔

۵/۶/۷/ مئی ۱۹۷۲ء کو مبارک پور کے ایک صحرا (موجودہ جامعہ اشرفیہ) میں سہ روزہ کل ہند تعلیمی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آنا تھا، جس کی تیاری مہینوں پہلے سے بڑے ہی زور و شور کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ہزاروں علما و مشائخ کی جلوہ گری کے لیے عالی شان اور نہایت ہی حسین و خوب صورت اسٹیج کی بناوٹ اور لاکھوں سامعین کے لیے وسیع و عریض خطے میں پھیلا ہوا رنگا رنگ پنڈال کی سجاوٹ ہر گزرنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ وقت مقررہ پر اکناف و اطراف ہند سے عقیدت مندوں کے ہزاروں قافلے متعدّد شاہ راہوں سے مبارک پور کی سرحد میں داخل ہونے لگے تھے۔ اکابرینِ ملت اور علمائے امت کی آمد نے ہر طرف کیف و سرور کا اجالا پھیلا دیا تھا۔ حافظِ ملت، اشرفیہ کے موقر اساتذہ اور باذوق طلبہ کے جلوؤں کی برکت سے یہ علاقہ ایسے ہی انوار کی موجوں میں غرقاب رہتا تھا۔ اور آج تو شہزادہ اعلیٰ حضرت حضور مفتیِ اعظم ہند کی تشریف آوری نے ایسا کیف کا سماں باندھ رکھا تھا، جیسے آسمان سے رحمتوں کا کوئی قافلہ مبارک پور کی سرزمین پر اتر پڑا ہے۔ کتنا پر نور تھا وہ لمحہ اور کتنی مبارک تھی وہ شام جب مبارک پور میں اہلِ سنت کی دینی و تعلیمی احیا کی تاریخ مرتب ہو رہی تھی اور پورے برصغیر میں بالکل پہلی بار بین الاقوامی شہرت کی حامل عظیم الشان دانش گاہ جامعہ اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا تھا۔ جس کی تقریب کو شرکت کا شرف بخشنے کے لیے میدانِ علم و فضل کے شہسوار اور آسمانِ ولایت کے ماہ و نجوم مبارک پور میں فروکش ہو چکے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے جب عشق والوں کا یہ روحانی قافلہ آگے بڑھا تو سید العلما، مجاہدِ ملت، امینِ شریعت، حافظِ ملت، شمس العلما اور دیگر سیکڑوں علما و مشائخ ایک خوش نما ہالہ کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ پورے میدان میں منڈلاتے ہوئے بادلوں کی طرح حاضرین و ناظرین کا سیلاب، ہونٹوں پر درودوں کے نذرانے، زبانوں پر نعتِ پیمبر کے ترانے، فضاؤں میں رحمت و نور کی پھیلی ہوئی چادر، ہواؤں میں نعرہ ہائے تکبیر و رسالت کی گونج۔ ایسے دل کش و دل ربا ماحول میں حضور مفتیِ اعظم لکڑی کے زینے سے اتر کر نیو رکھنے کی جگہ پر پہنچے۔ اپنے مبارک ہاتھوں سے اشرفیہ کا پہلا سنگ بنیاد رکھا، پھر سارے اکابرین نے اپنی اپنی اینٹیں رکھیں۔ اس کے بعد حضور مفتیِ اعظم ہند کے دست ہائے اقدس دعا کے لیے اٹھ گئے۔ ان کے لب ہائے مبارک جنبش میں تھے، پلکیں بھیگ چکی تھیں۔ خدا جانے وہ اس پر کیف لمحہ میں اپنے معبود برحق سے کیا عرض کر رہے تھے۔ لیکن آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ وہ اپنی برستی آنکھوں سے کہہ رہے ہیں: اے کائنات کے پروردگار! مبارک پور کے اس ویرانے صحرا میں تیرے عبد العزیز نے علم و حکمت اور فضل و دانش کا ایک شہر بسایا ہے، اپنے حبیب کی زلفوں کے صدقے میں اس کے فیضان کو سارے عالم میں عام کر دے۔ جب حضرت کی دعا تکمیل کو پہنچی اور ہزاروں علما، مشائخ اور حاضرین و ناظرین نے آمین کہا تو ایسا لگا کہ ان کی دعا اسی وقت مستجاب ہو گئی۔

جو جذب کے عالم میں نکلے لبِ مومن سے
وہ بات حقیقت میں تقدیرِ الٰہی ہے

یہ حضور مفتیِ اعظم ہند کی دعا کی قبولیت کے آثار ہیں کہ اشرفیہ ہزاروں مخالفتوں کے ہجوم میں بھی مسکراتا ہوا، عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب دام ظلہ العالی کی قابلِ فخر سربراہی میں ارتقا کی اس منزل کی طرف رواں دواں ہے، جہاں حافظِ ملت اسے دیکھنے کی تمنا رکھتے تھے۔ حافظِ ملت اپنی حیات کے قیمتی سال اس گلستانِ علم و فضل کی آبیاری میں گزار کر ۳۱/ مئی ۱۹۷۶ء کی شب میں ہماری نگاہوں سے روپوش ہو گئے۔ لیکن ان کا قائم کردہ وہ عظمت کا مینار آج بھی ان کے اخلاص و قربانی کا خطبہ پڑھ رہا ہے اور ان کے جامعہ کی بلند و بالا، دیدہ زیب اور.......... (باقی ص: ۳۴ پر)

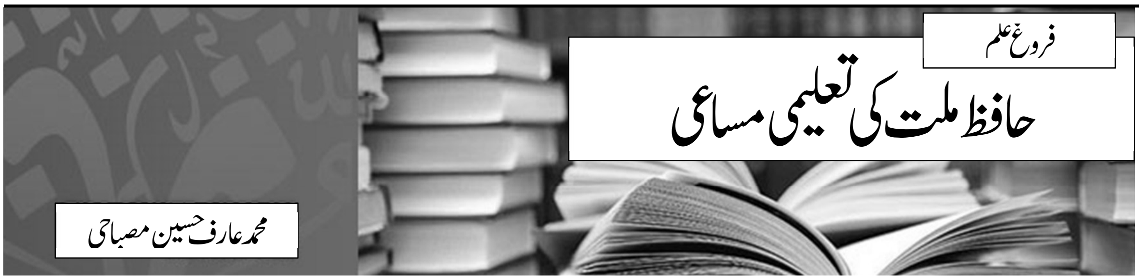

فروغ علم

حافظ ملت کی تعلیمی مساعی

محمد عارف حسین مصباحی

حضور حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت: ۱۸۹۴ء/ وصال ۳۱/ مئی ۱۹۷۲ء) بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ، اللہ عزوجل کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے جن کے دل علوم و حکمت سے بھر پور تھے، زبان ذکر خدا اور سول سے سرشار تھی، اعمال صالحہ اور سنت نبوی کے پیکر تھے، خلوص وللّٰہیت میں بے مثال تھے، آپ چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی باوقار، ہر دلعزیز، اور یکتاے روزگار شخصیت کی حیثیت سے، علما، صلحا، اور دانشوران قوم وملت میں متعارف تھے، آپ ایک جامع الصفات شخصیت اور منفرد حیثیت کے حامل تھے، شخصیت سازی، تقویٰ شعاری، اخلاقی بلندی، اور دین وملت کی عظیم وگراں قدر تعمیر، ملی اور تعلیمی مساعی میں ستاروں کی طرح روشن اور "ہمالیہ" کی طرح بلند تھے۔ علمی جلالت، فکری اصابت اور قبولیت عامہ کے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر حد درجہ شفقت، نسبتوں کا احترام معاصرین سے وابستگی ونیاز مندی، قومی، ملی اور تعلیمی خدمات میں جدوجہد آپ کی روشن زندگی کے درخشندہ وتابناک پہلو تھے۔

قصبہ بھوجپور ضلع مراداباد، یوپی کے ایک دین دار گھر میں میں آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر آپ کے داداجان نے آپ کا نام "مشہور عالم دین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی" کے نام پر عبد العزیز رکھا اور کہا "میرا بیٹا عالم دین ہوگا" چنانچہ دادا مرحوم کی دعا رنگ لائی اور مستقبل میں محدث ثانی ثابت ہوئے اور شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی اور "حافظ ملت" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے علاقے بھوجپور، مراداباد میں ہوئی بھوجپور سے مراداباد کا فاصلہ قریب اکیس کلو میٹر ہے اس درمیان آپ روزآنہ آمد ورفت "پیادہ پا" (پیدل) کرتے اور "راہ" میں ایک قرآن عظیم بھی ختم فرمالیتے اور گھر واپسی پر اپنے ہم عمر افراد سے زیادہ گھر کے کام میں ہاتھ بھی بٹاتے اور درس نظامی اور دیگر دینی علوم کی اعلیٰ تعلیم کی تکمیل دار العلوم معینیہ اجمیر میں جماعت اہل سنت کے معروف عالم دین خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) اور دیگر آسمان علم و حکمت کے روشن ستارے علما کرام سے کی ۱۳۵۱ھ/ مطابق ۱۹۳۲ء میں منظر اسلام بریلی سے دستار فضیلت اور سند فراغت کی تکمیل کی۔

دینی علوم وفنون کی تکمیل کے بعد آپ کا رجحان تجارت کے ساتھ مقامی سطح پر خدمت دین تھا اسی وجہ سے آپ کے مشفق استاد مولانا امجد علی اعظمی نے آپ کو بطور خاص اپنے علاقے میں خدمت دین کے لیے مبارک پور بھیجنا چاہا تو آپ نے عرض کیا میرا ارادہ ملازمت کرنے کا نہیں ہے استاذ گرامی نے فرمایا کہ حافظ صاحب: میں آپ کو ملازمت کرنے نہیں بلکہ خدمت دین کے لیے بھیج رہا ہوں استاذ کا حکم تھا اور اعظم گڑھ کے علاقے میں پھیل رہی بدمذہبیت کے سدباب کی ضرورت بھی داعی تھی اس لیے آپ ۱۴/ جنوری ۱۹۳۴ء میں مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم تشریف لے گئے اور وہاں صدر مدرس کی حیثیت سے اپنی ملی، اور تعلیمی مساعی کا آغاز کیا۔

آپ کی آمد کی برکت اور تعلیمی بیداری کی جدوجہد سے خستہ حال اور غیر معیاری نظم وضبط پر مشتمل مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں آپ کی تعلیم و تربیت کا شہرہ بوے گل کی طرح ہر چہار جانب صرف ایک سال کی قلیل؛ مدت میں پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی خدمت میں طالبان علوم نبویہ "شمع" میں پروانوں کی طرح منڈلانے لگے اور مدرسہ کی غیر آباد فضا میں قرآن، حدیث، فقہ، وتفسیر وغیرہ دیگر علوم وفنون کے مباحث سے مدرسہ کے در و دیوار روشن ہونے لگے اور مقامی وبیرونی طلبہ کی کثرت سے مدرسہ کی عمارت اپنی تنگ دامنی پر شکوہ کناں ہونے لگی۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کی علمی تحریک پر قلب مبارکپور ایک وسیع زمین حاصل کی گئی اور اس پر دو منزلہ شاندار عمارت کی تعمیر ہوئی لیکن آپ کے حسن اہتمام اور عمدہ تعلیم و تربیت کے پس منظر میں بیرونی طلبہ کی روز افزوں بڑھ رہی تعداد سے وہ زمین بھی اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوتی چلی گئی۔ آپ نے اپنے بلند وبالا ارادے خلوص

وللٰہیت سے بھرپور دینی، مذہبی، قومی، ملی اور تعلیمی اغراض ومقاصد کے پس منظر میں مبارک پور کی آبادی سے باہر ایک وسیع وعریض خطہ زمین خریدا اور اس کے سنگ بنیاد کے لیے ۱۹۷۲ء میں عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد کرکے ملک بھر کے علما، مشائخ اور دانشوران قوم ملت کی موجودگی میں الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور آپ کی شبانہ روز تعلیمی اور قومی مساعی سے وسیع وعریض رقبہ پر مشتمل الجامعۃ الاشرفیہ شہرستان علم وفضل اور برصغیر کی شہرۂ آفاق درسگاہ میں شمار کیا جانے لگا ہے۔ آپ کے لگائے ہوئے علم وحکمت کے ”شجر سایہ دار“ سے فیضیاب ہونے والوں کی تعداد ۹ر ہزار سے بھی متجاوز ہوچکی ہے اور ان فرزندان اشرفیہ ”مصباحی“ علما میں بیش تر وہ فضلا ہیں جو قدیم وجدید علوم پر مہارت کے ساتھ درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک اور بیرون ملک کی اعلیٰ درسگاہوں اور ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجز کے اہم عہدوں سے وابستہ ہیں۔ اور دینی، ملی اور تعلیمی خدمات میں منفرد وممتاز نظر آتے ہیں۔

شرق تا غرب زمانے میں ہے چرچا اس کا
پھیلی عالم میں ہے مصباحی ستاروں کی ضیا

مرکز علم وحکمت الجامعۃ الاشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھنے کے پس منظر کو اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت منکشف وآشکارا ہوتی ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کو قوم مسلم کی ملی، دینی اور تعلیمی زبوں حالی کا بڑا قلق تھا آپ نے اس پہلو پر اپنے طویل تجربات اور پیہم مشاہدات کی روشنی میں محسوس کیا کہ قوم مسلم کے نونہالوں کو دینی زندگی اور قومی بقا کے لیے دینی علوم قرآن وحدیث، فقہ، وتفسیر وغیرہ کے ساتھ دیگر قدیم علوم وفنون کی بصیرت کی بھی ضرورت ہے ایک موقع پر آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعلیمی تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ” الجامعۃ الاشرفیہ سے میرا مقصد درس نظامی کے طلبہ کو ہندی، انگریزی اور عربی زبان وادب کا صاحب قلم اور صاحب لسان بنانا ہے تاکہ وہ ہند اور بیرون ہند مذہب اہل سنت کی اشاعت کر سکیں“ اور عصری علوم وفنون سے طالبان علوم نبویہ کو مرصع کرنے کے لیے فرمایا ”میں اپنے ادارے میں ٹیکنیکل تعلیم کے شعبے بھی قائم کرونگا“ آپ کے آفاقی نظریۂ تعلیم وتربیت کے روشن و تابناک پہلو کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے آپ کے لائق وفائق شہزادہ، جانشین ومحافظ عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ (علیگ) مصباحی دام ظلہ جو قدیم وجدید سے ہم آہنگ، مذہبی اور عصری تعلیم کے سنگم ہیں بڑی برق رفتاری سے جانب منزل رواں دواں ہیں۔ یہ نگہباں ہیں اس گلشن اشرفیہ کے ہے دعا اپنی خدا ان کو سلامت رکھے۔ (آمین)

اور آج حضور عزیز ملت مولانا شاہ عبدالحفیظ (علیگ) مصباحی دام ظلہ کی قیادت میں الجامعۃ الاشرفیہ اپنی گراں قدر تعلیمی، تبلیغی، ملی اور تصنیفی خدمات کے تحت تدریسی اور غیر تدریسی شعبے میں مصروف عمل ہے۔ تعلیمی شعبوں میں طلبہ وطالبات کی تعداد ۹ر ہزار سے زائد اور مختلف شعبوں میں اسٹاف کی تعداد ۳۰۰ر سے زائد ہے۔ مبارکپور کی آبادی میں اشرفیہ جونیر ہائی اسکول، ، نسواں ہائی اسکول، اشرفیہ انٹر کالج، قدیم مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، متعدد محلوں میں بچوں کے لیے مکاتب کا انتظام، لائبریریوں اور انجمنوں، اساتذہ کی رہائشیں اور مارکیٹوں کا خوشنما جال پھیلا ہوا ہے اور ملک وبیرون ملک سیکڑوں دینی وعصری ادارے اس کی شاخ کی حیثیت سے حافظ ملت کی ملی اور تعلیمی مشن کی ترویج واشاعت میں گامزن ہیں جب کہ الجامعۃ الاشرفیہ میں کلیۃ الشریعہ درس نظامی میں مولویت، عا لمیت، فضیلت، تخصص فی الحدیث، تخصص فی الفقہ، تخصص فی الادیان، اور تخصص فی الادب، حفظ قرآن، قراءت حفص، قراءت سبعہ جیسے تجوید کے شعبے بحسن وخوبی نونہالان اسلام کی علمی تشنگی بجھانے میں زیر عمل ہیں اور طالبان علوم وارث نبویہ کے لیے دیگر لازمی عصری علوم کے ساتھ حافظ ملت انفارمیشن اینڈ ٹیکنالوجی کا شعبہ ہے۔ طلبہ اور قلم کار حضرات کی علمی سیرابی کے لیے اس کی مختلف لائبریریاں ہیں جس میں ” امام احمد رضا لائبریری “مختلف علوم وفنون اور مختلف زبانوں میں ہزاروں اہم اور نادر و نایاب کتابوں اور قیمتی مخطوطات پر مشتمل ہے۔ شعبہ نشرواشاعت کے تحت سربراہ اہل سنت پروفیسر سید امین میاں مارہروی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں ”مجلس برکات “ کا قیام عمل میں آیا جہاں عصر حاضر کے تناظر میں علمائے اہل سنت وجماعت کی دینی اور درسگاہی کتابوں پر نئے رنگ ڈھنگ سے کام کرنے اور ان قدیم کتابوں کی تصحیح، ترتیب اور تسہیل کے لیے یہاں کے فارغین ”مصباحی “ علما وفضلا کی ایک بڑی ٹیم مصروف عمل ہے اور اب تک درجنوں درسی اور غیر درسی معیاری کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور ہر ماہ پابندی سے شائع ہونے والا جدید وقدیم سے ہم آہنگ معیاری مضامین، عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان ماہنامہ ” اشرفیہ “ مولانا مبارک حسین مصباحی کی ادارت میں طویل عرصے سے شائع ہو رہا ہے جس کا زر مبادلہ ۲۰۰ر روپے سالانہ ہے۔ ” شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی دارالافتا “بھی موجود ہے جس میں مفتیان کرام کی اچھی خاصی تعداد جماعت اہل سنت کے مستند ومعتبر محقق مسائل جدیدہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی کی صدارت میں ملک ملت کے دشوار گزار مسائل کو قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں ”فی سبیل اللہ “ حل کیا جاتا ہے۔ اس

ادارہ کا ایک اہم شعبہ "مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور" بھی ہے جس کے تحت عصر حاضر کے سلگتے اور اہم مسائل پر پورے ملک کے سیکڑوں باوقار مفتیان کرام کا کسی اہم مقام پر سیمینار ہوتا ہے اور صدر مجلس شرعی صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی اور دیگر مندوبین مفتیان کرام کے مسائل میں شدید بحث و تحقیق کے بعد کسی مسئلے میں متفق ہونے کی صورت میں امت کی فلاح و بہبود کے پیش نظر اسے منظر عام پر لایا جاتا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ اب تک مجلس شرعی کے بائیس فقہی سیمینار ہو چکے۔ بڑے پیمانے پر "حافظ ملت ہاسپٹل" کا قیام عمل آچکا ہے جہاں نادار طلبہ اور غریب مسلمانوں کا علاج مفت کیا جاتا ہے اور "حافظ ملت طبیہ کالج" کی منظوری اخیر مرحلے میں ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی اس کا آغاز ہونے والا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی دیگر تنظیمیں اور دینی سرگرمیاں ہیں جنہیں ہم بخوف طوالت ترک کر رہے ہیں تفصیل کے لیے وسیع و عریض رقبہ پر پھیلے جامعہ اشرفیہ کا ماتھے کی آنکھوں سے مشاہدہ فرمائیں یا اس کی ویب سائٹس www. aljamiatulashrafi.org پر سرچ کریں۔ انشاء اللہ کافی دینی، ملی اور تعلیمی سرگرمیوں سے آشنائی ہوگی۔

آخری بات: بلاشبہ حضور حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مرادآبادی تقویٰ شعاری اور سنت نبوی کے عملی پیکر تھے آپ کی زبردست ملی اور تعلیمی مساعی نے ملی صلاح و بہبود میں گراں قدر خدمات انجام دی اور آپ کے تلامذہ اور ان کے تلامذہ پوری دلجمعی کے ساتھ ان کے دینی، ملی اور تعلیمی سرگرمیوں کو جاری و ساری رکھنے میں مصروف عمل ہیں۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ کے لگائے ہوئے چمنستان علم و حکمت اور قوم و ملت کی فلاح و بہبود میں کوشاں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ملی اور تعلیمی مساعی میں شریک ہو کر ملی اور تعلیمی کاز کو قوت فراہم کریں اور عہد حاضر میں ملت کے شیرازہ کو متحد اور باہم مربوط کرنے اور اہل سنت و جماعت کو انتشار و پسپائی کے دلدل سے نکالنے اور ملت کے زخموں کو مندمل کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں کیوں کہ آپ کی حیات طیبہ آپ کے ہزاروں تلامذہ اور ان تلامذہ کے لاکھوں طلبہ اور عقیدت مندان سمیت دیگر منصف مزاج انسان دوست کے لیے مشعل راہ ہے کہ آپ کے نزدیک "ہر مخالفت کا جواب کام" اور زندگی کام کے لیے اور بے کاری موت تھی "۔ تو آئیے ان کے " دینی ملی اور تعلیمی مشن کام" کو فروغ دینے کا عہد کریں۔

اس کی شادابی پہ ہم آنچ نہ آنے دیں گے
اس پہ ہم ابر خزاؤں کے نہ چھانے دیں گے

(ص: ۳۱ کا بقیہ)..... پر شکوہ عمارتیں آسمان کی رفعتوں کو آنکھیں دکھلا رہی ہیں۔

یہی وہ جامعہ اشرفیہ ہے جس کی تعمیر و ترقی میں حافظ ملت نے اپنی زندگی کی آخری سانس بھی قربان کر دی تھی اور اس کی نگہبانی کے لیے اسی اشرفیہ کی مٹی میں مدفون ہو گئے تھے۔ اس کی دیوار میں حافظ ملت کے جگر کا خون شامل ہے۔ اس کی فضاؤں میں آج بھی حضور مفتی اعظم ہند کی دعاؤں کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ آج کی تاریخ میں یہ جامعہ اشرفیہ اہل سنت کا نشان امتیاز ہے اور عزت و آبرو بھی۔ اس کے فرزندوں کے دنیا کے مختلف حصوں میں علم دین مصطفےٰ کا چراغ جلایا ہے اور کائنات کی رگوں میں عشق و رسالت کا خون دوڑا دیا ہے۔ اس کی تعلیمی شہرت کا پرچم سراندیپ کے پہاڑوں سے لے کر ہمالہ کی چوٹیوں تک لہرا رہا ہے۔ اس کے فارغین نے نسلوں کو فکر و قلم کا شعور بخشا ہے اور تصنیف و تالیف کی دنیا میں آگے بڑھنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ اسی اشرفیہ کے فرزندوں سے مذہبی صحافت نے اپنی تعمیر وارتقا کی روشنی پائی ہے اور تقاضائے عصر پر لبیک کہنے کا سلیقہ سیکھا ہے۔ اسی چمنستان علم و کرم کے دامن میں ہزاروں محقق نے فکر تحقیق و ریسرچ کی جلا پائی اور مفتیان اسلام نے فتویٰ نویسی کا ہنر سیکھا ہے۔ اس ادارے نے گم راہوں کے دلوں میں ہدایت کی کرنیں ڈالیں اور بے دینوں کو دینی بصیرت کا جوہر عطا کیا۔ اس نے علما کو وقار و تمکنت کی دولت دی ہے اور فضلا کو فضل و تدبر کا گہر بخشا ہے۔ اس نے ادبا کو ادب کی حلاوت دی ہے اور شعرا کو فکر و تخیل کا چمن بخشا ہے۔ اس کے فرزندوں نے بساط ملک پر ہزاروں مدارس کے جال بچھائے اور ان کے ایوانوں میں اپنی تدریسی خدمات کا ڈنکا بجایا ہے۔ اس کے خطبا نے خطابت کے آفاق پر اپنی انفرادیت کی سندیں لکھوائیں اور حسن بیان کے جادو سے لاکھوں اذہان افکار کو مسخر کر لیا۔ اس نے دینی علوم کے طلبہ کو فکر و فن کی توانائی بخشی اور عصری علوم میں بھی آگے بڑھ جانے کا راستہ دکھلایا ہے۔

ماحصل یہ کہ حافظ ملت کا چہیتا ادارہ یہ جامعہ اشرفیہ اہل سنت کے تابناک مستقبل کا ایسا روشن چراغ ہے جو آندھیوں کی زد میں بھی جلتا رہے گا۔ اس کے علم و حکمت اور فضل و کرم کا فیض گھٹا بن کر ساری دنیا پر برستا رہا اور انشاء اللہ برستا رہے گا۔

جو ابر یہاں سے اٹھا ہے وہ سارے جہاں پہ برسا ہے
جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پہ برسے گا

ماضی اور حال

حضور صاحبِ سجادہ کا ایک اور تاریخ ساز فیصلہ

مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ کے پانچویں سجادہ حضرت احسن میاں قادری رضوی کا انتخاب
تاریخ ساز فیصلہ کی روداد سناتی ایک دستاویزی تحریر

از: مفتی محمد سلیم بریلوی

خانقاہ عالیہ رضویہ کا قیام: سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ پوری زندگی دین و سنیت کی بے مثال خدمت انجام دی اور ہمیشہ معمولات اہل سنت، عقائد اہل سنت اور صوفیہ کرام کے مسلک حقہ کو مدلل و مبرہن کرنے کے لیے آپ اپنی زبان و قلم کا استعمال بحسن و خوبی کرتے رہے۔ ایک طرف جہاں آپ نے فقہ حنفی کو دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ذریعے مدلل کرنے کا بے مثال کارنامہ انجام دیا وہیں آپ نے عقائد اہل سنت اور معمولات اہل سنت پر ہونے والے بدمذہبوں کے اعتراضات کا بھی دنداں شکن جواب دیا اور اس طرح آپ نے تجدید دین کا ایسا بے مثال زرّیں کارنامہ انجام دیا کہ جس کی مثال ماضی قریب میں نہیں پائی جاتی اسی وجہ سے اس وقت کے جلیل القدر علماے عرب و عجم نے متفقہ طور پر آپ کو مجدد دین و ملت، امام اہل سنت اور اعلیٰ حضرت تسلیم کیا۔

یوں تو رشد و ہدایت، بیعت و ارشاد اور خانقاہی رسوم کی ادائیگی کا سلسلہ آپ کے جد امجد حضرت مفتی محمد رضا علی خاں علیہ الرحمہ ہی کے زمانے سے باقاعدگی کے ساتھ جاری و ساری تھا مگر اعلیٰ حضرت کے دینی و مذہبی بے مثال کارناموں کی وجہ سے پوری دنیاے سنیت کے خطہ خطہ سے علما، مشائخ اور عوام و خواص آپ کی طرف پروانہ وار کشاں کشاں آنے لگے، جس کی وجہ سے اس خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے متحدہ ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو عروج و ارتقا حاصل ہونے لگا۔

خانقاہ رضویہ کے پہلے سجادہ اور ضابطۂ سجادگی: ۲۵؍ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ /۲۸؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں جب سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا تو آپ کی وصیت کے مطابق اس وقت کے جلیل القدر علما، مشائخ، خلفاے اعلیٰ حضرت، سجادگان اور بالخصوص بزرگان مارہرہ مطہرہ نے متفقہ طور پر حجۃ الاسلام کو خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کا سجادہ نشین ،جامعہ رضویہ منظر اسلام کا مہتمم اور اعلیٰ حضرت کا جانشین منتخب فرما کر مسند سجادگی پر متمکّن کر دیا۔ چوں کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیات ہی میں ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن محبی کی دعوت پر مصروفیت کے باعث بنفس نفیس تشریف نہ لے جانے کی وجہ سے حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کو ایک خط کے ساتھ روانہ کیا تھا جس میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

"اگرچہ میں اپنی مصروفیت کی بنا پر حاضری سے معذور ہوں مگر حامد رضا کو بھیج رہا ہوں۔ یہ میرے قائم مقام ہیں۔ ان کو حامد رضا نہیں احمد رضا ہی سمجھا جائے۔" (فتاویٰ حامدیہ ص ۵۱)

ایک وقف نامہ کی رجسٹری میں حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کو متولی قرار دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ:

"مولوی حامد رضا خاں پسر کلاں جو لائق ،ہوشیار اور دیانت دار ہیں، متولی کر کے قابض و دخیل بحیثیت تولیت کاملہ کر دیا۔"

(فتاویٰ حامدیہ ص ۵۲)

اسی طرح سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت جب قریب آگیا تو آپ اپنے سے مرید ہونے والے لوگوں کو حجۃ الاسلام کے پاس ہی بیعت کے لیے بھیج دیتے چنانچہ اپنے وصال سے صرف ایک جمعہ پہلے ہی اعلیٰ حضرت سے مرید ہونے کے خواہاں حضرات کو اپنے شہزادے سے بیعت کرنے کی تلقین و ہدایت اس انداز میں فرمائی:

"ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، ان کا مرید میرا مرید، ان سے بیعت کرو۔" (ایضاً ص ۵۲)

حضور حجۃ الاسلام کی جانشینی کے سلسلہ میں ارشاد فرمائے جانے والے یہ تمام جملے کوئی اتفاقی جملے نہیں تھے بلکہ یہ سب ارشادات طیبہ اعلیٰ حضرت کے کشف و کرامت کا ایک بے مثال

استاذ جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف

نمونہ تھے۔کیوں کہ آپ کی نگاہ مجددیت ،نظر قطبیت اور آپ کی قوت کشف وکرامت یہ دیکھ چکی تھی کہ میرے دونوں شہزادگان میں سے میری نسل حامد رضا خاں ہی سے چلے گی اور انہیں کی نسل سے مرکز اہل سنت کے پلیٹ فارم سے دین و مذہب، مسلک و مشرب، علوم و فنون ، رشد و ہدایت، قادریت و برکاتیت ،بیعت و ارشاد پر مشتمل بے مثال قومی وملی کارنامے انجام دیئے جائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے قصیدے "الاستمداد" کے اندر حجۃ الاسلام کی تعریف میں جو شعر ارشاد فرمایا ہے وہ مذکورہ بالا میرے تمام تردعوں کی تصدیق کا منہ بولتا ثبوت ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

حامد منی انا من حامد

حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

حامدی رجسٹرڈ وصیت نامہ: اس طرح آپ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد پوری زندگی خانقاہ رضویہ، درگاہ اعلیٰ حضرت، رضا مسجد اور منظر اسلام کی خدمت انجام دیتے رہے۔مگر جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے مذکورہ بالا تمام اوقاف کے لیے ایک رجسٹرڈ وصیت نامہ تیار کیا جس میں آپ نے اپنے بعد اپنے بڑے شہزادے مفسر اعظم ہند حضرت مفتی محمد ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمۃ کو اپنا جانشین، نائب مطلق، خانقاہ رضویہ کا سجادہ نشین ،منظر اسلام کا مہتمم اور رضا مسجد کا متولی نامزد فرمایا۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی اپنی کتاب "مفسر اعظم ہند" میں تحریر فرماتے ہیں :

"حجۃ الاسلام نے اپنے وصال ۱۷ر جمادی الاول ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء سے قبل اپنے دونوں صاحبزادگان مفسر اعظم حضرت محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں اور حضرت حماد رضا خاں نعمانی میاں رحمۃ اللہ علیہم کے لیے اپنی خلافت کا اعلان فرمادیا تھا اور اپنی وصیت کے مطابق مفسر اعظم کو اپنا نائب مطلق ،خانقاہ عالیہ رضویہ کا سجادہ نشین اور دارالعلوم منظر اسلام کا مہتمم نامزدہ فرمایا تھا۔" (مفسر اعظم ص ۱۸)

حجۃ الاسلام کی اسی وصیت کی قدرے وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام اپنی کتاب "جہان ریحان" میں تحریر فرماتے ہیں :

"۱۹۳۸ء کی شام کاشانۂ اعلیٰ حضرت، گھر کے تمام افراد چارپائیوں پر تشریف فرما تھے، حجۃ الاسلام حامد رضا خاں نے فرمایا: میں نے اپنی وصیت تحریر کرادی ہے۔تمام موجود اہل خانہ ہمہ تن گوش تھے ۔آپ فرمارہے تھے "میرے بعد میرا فرزند اکبر محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں اور بعد، فرزند اصغر نعمانی میاں اور اس کے بعد ہمارا سجادہ نشین ومتولی ریحان رضا ہوگا"۔زمانہ حیران تھا کہ ریحان رضا ابھی صرف ۴ر سال کے ہیں اور حجۃ الاسلام نے ریحان رضا کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی خانقاہ کا سجادہ نشین نامزد کردیا۔" (جہان ریحان)

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بخوبی ظاہر ہوجاتا ہے کہ حجۃ الاسلام نے ان تمام اوقاف کے انتظام وتولیت کے سلسلہ میں ریحان ملت تک نام بنام اپنی وصیت تحریر فرماکر خانقاہ رضویہ کی سجادگی کا ایک مستحکم ضابطہ اور قانون بھی مرتب فرمادیا تھا۔اس وصیت نامہ کے مطابق ہی آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ آگے چلنا تھا۔مگر جب تقسیم ہند کے بعد مولانا محمد حماد رضا خان عرف نعمانی میاں علیہ الرحمۃ جو مفسر اعظم ہند کے برادر اصغر اور حجۃ الاسلام کے چھوٹے شہزادے تھے انہوں نے پاکستان ہجرت فرمالی اور کراچی ہی میں ان کا وصال بھی ہوگیا تو ہندوستانی قانون کے مطابق وہ خود ہی مذکورہ بالا وصیت سے علاحدہ ہوگئے۔

خانقاہ رضویہ کے دوسرے سجادہ: ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء میں جب حجۃ الاسلام کا وصال ہوا تو اعلیٰ حضرت کے چھوٹے شہزادے تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی کی وجہ سے مفسر اعظم ہند کے بے پناہ انکار کے باوجود سلسلہ رضویہ کے مریدوں اور خلفا نے حضرت جیلانی میاں ہی کو خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ، درگاہ اعلیٰ حضرت کا سجادہ نشین رضا مسجد کا متولی اور منظر اسلام کا مہتمم بنا دیا۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی تحریر فرماتے ہیں : "خاندان اعلیٰ حضرت کا یہ دستور ہے اور اکثر خانوادوں اور خانقاہوں میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ صاحب سجادہ کے بعد بڑے صاحب زادے کو سجادہ نشینی ملتی ہے۔البتہ علم وعمل کی شرط ہے۔یہی دستور خانوادۂ رضا کا بھی ہے۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد خانقاہ عالیہ قادریہ کے صاحب سجادہ و متولی اور یادگار رضا جامعہ رضویہ منظر اسلام کے مہتمم ان کے صاحب زادۂ اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ ہوئے۔اب ظاہر ہے کہ حجۃ الاسلام (برادر اکبر حضور مفتی اعظم) کے وصال کے بعد سجادہ نشین اور تولیت وغیرہ ان کے صاحبزادۂ اکبر مفسر اعظم علامہ مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں کی طرف منتقل ہوجانی چاہیے تھی "۔(مفسر اعظم ص ۲۵)

اس طرح مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باحیات ہوتے ہوئے انہیں کی موجودگی میں تمام علما، مشائخ اور خاص کر مشائخ مارہرہ مطہرہ وخلفاے اعلیٰ حضرت نے مفسر اعظم ہند ہی کو خانقاہ رضویہ کا سجادہ نشین ومتولی منتخب فرمایا اور اسے تسلیم بھی کیا۔

مفسر اعظم ہند ۱۷/ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ / ۲۳/ مئی ۱۹۴۳ء سے لے کر ۱۱/ صفر ۱۳۸۵ھ / ۱۲/ جون ۱۹۶۵ء تک خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشین و متولی، رضا مسجد کے متولی اور منظر اسلام کے مہتمم اور دیگر اوقاف کے متولی رہے۔

خانقاہ رضویہ کے تیسرے سجادہ: حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ ہی اپنے مذکورہ بالا رجسٹرڈ وصیت نامے میں مفسر اعظم ہند کے بعد حضرت ریحان ملت کو تمام اوقاف کا متولی اور خانقاہ رضویہ کا سجادہ نشین منتخب فرما گئے تھے اس لیے جب مفسر اعظم ہند اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو اس وقت بھی مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود تھی۔ مگر اس وقت کے تمام خلفائے سلسلہ رضویہ برکاتیہ، مریدین و متوسلین، علماء و مشائخ، خانقاہوں کے سجادگان اور بالخصوص مشائخ مارہرہ مطہرہ نے ریحان ملت کو ہی خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت کا سجادہ نشین، رضا مسجد اور دیگر اوقاف کا متولی، جامعہ رضویہ منظر اسلام کا مہتمم اور ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا مدیر اعلیٰ منتخب بھی کیا اور تسلیم بھی کیا۔ جب کہ تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام تر علمی و مذہبی وقار کے ساتھ موجود تھے۔ اس طرح حضرت ریحان ملت ۱۱/ صفر ۱۳۸۵ھ / ۱۲/ جون ۱۹۶۵ء سے ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ / ۸/ جون ۱۹۸۵ء تک خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ کے سجادہ نشین اور تمام اوقاف کے متولی رہے۔

خانقاہ رضویہ کے چوتھے سجادہ: جب ۱۹۸۵ء میں حضرت ریحان ملت علیہ الرحمۃ کا وصال ہو گیا تو خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت کا سجادہ نشین، جامعہ رضویہ منظر اسلام کا مہتمم، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا مدیر اعلیٰ، رضا مسجد اور دیگر اوقاف کا متولی حضرت ریحان ملت کے شہزادۂ اکبر صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی کو منتخب فرمایا گیا۔ جیسا کہ آپ ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کے اقتباس میں پڑھ چکے ہیں کہ خانقاہ رضویہ اور دیگر خانقاہوں کے دستور کے مطابق چونکہ آپ ریحان ملت کے بڑے شہزادے تھے اس وجہ سے آپ کو یہ تمام منصب تفویض کیے گئے۔ مگر اس دستور کے علاوہ حضرت ریحان ملت علیہ الرحمۃ کی ایک رجسٹرڈ وصیت بھی تھی جس کی رو سے آپ ہی کو سجادہ نشین اور تمام اوقاف کا متولی بننا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے تمام علما، مشائخ، خانقاہی سجادگان، خلفاے سلسلہ قادریہ رضویہ اور دیگر عوام و خواص جو حضرت ریحان ملت کے عرس چہلم مؤرخہ ۱۷/ جولائی کو تشریف لائے تھے ان کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت کے پیر خانے خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین احسن العلما حضرت سید مصطفی حیدر حسن میاں علیہ الرحمۃ کی طرف سے ارسال کردہ دستار مبارک جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ النورانی نے اپنے دست مبارک سے شہزادۂ ریحان ملت نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی کے سر مبارک پر سجائی جس کی تائید و تصدیق نعروں کی گونج میں تمام حاضرین نے نہایت ہی جوش و خروش کے ساتھ فرمائی۔ اس وقت جو علما اور مشائخ موجود تھے ان کے اسما کی تصریح اور اس عرس چہلم کی رپورٹ کو ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے شمارہ ماہ ستمبر ۱۹۸۵ء میں نقل کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جیسا کہ مذکور ہوا حضرت ریحان ملت نے حضور صاحب سجادہ کے لیے ایک رجسٹرڈ وصیت کی تھی جس کا مضمون اس طرح ہے: ”میں کہ ریحان رضا خاں ولد جناب ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں مرحوم ساکن شہر بریلی شریف محلہ سوداگران ہوں۔

جو کہ میں خادم دین و ملت اہل سنت موجودہ متولی وقف علی الاولاد اعلیٰ حضرت، جناب حامد رضا خاں صاحب مرحوم وقف اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ مرحوم کا ہوں و سجادہ نشین و متولی خانقاہ عالیہ نوریہ رضویہ حامدیہ واقع محلہ سوداگران شہر بریلی مذکور کا تحت وقف نامہ مؤرخہ ۳۰/ اگست ۱۹۳۸ء نوشتہ واقف اپنے پدر جناب حامد رضا خاں مرحوم ولد اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولوی شاہ احمد رضا خاں قبلہ مرحوم مذکورہ بالا کا ہوں وقف نامہ مذکور کی رجسٹری دفتر سب رجسٹرار بریلی میں کی گئی ہے۔ میں بحیثیت متولی و سجادہ نشین مامور و متعین ہو کر فریضۂ منصبی و دینی خدمات عوام اہل سنت و تقلید پیش بزرگان دین و باصالت و ہمدردی خدام دین و ملت و علما خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا ہوں۔ اب میری عمر پچاس سال کی ہے۔ میرے پانچ پسران ہیں جن میں سے پسر اکبر سبحان رضا خاں نے میرے انتظام تولیت و خانقاہ عالیہ رضویہ میں میرا ساتھ اپنی خصوصی دلچسپی کے ساتھ بٹایا ہے۔ شرائط و احکامات وقف نامہ مذکور میں میرے بعد میں انتظام تولیت و سجادہ کا تذکرہ نہ ہونے سے مجھ خادم کو اپنے بعد انتظام تولیت و سجادہ کا حق ہے جس کی

تفصیل میں اپنی خوشی سے بتندرستی ہوش وحواس اس تحریری دستاویز کے ذریعے دفعہ ۷۶؍یوپی مسلم وقف ایکٹ کے مطابق نامزدگی کرتا ہوں کہ میرے بعد میرا جانشین، متولی وقف وسجادہ خانقاہ عالیہ رضویہ حامد یہ میرا پسر اکبر سبحان رضا خاں ہوگا۔ سبحان رضا خاں کی اولاد میں فی الحال ایک دختر و ایک فرزند ہے جو کمسن ہیں۔ اس میں فرزند احسن رضا خاں ہے جس کو اپنے والدین کی شفقت کے ساتھ ساتھ............ میری الفت خاص بھی حاصل ہے۔ سبحان رضا خاں مذکور کے بعد ان کا فرزند احسن رضا خاں متولی و سجادہ ہوگا۔ لہٰذا یہ وصیت نامزدگی بابت متولی و سجادہ نشین آئندہ اپنے بعد کی تحریر کر دی کہ وقت پر کام آوے۔ اپنی حیات تک میں بدستور متولی و سجادہ نشین رہوں گا۔(مضمون رجسٹرڈ وصیت نامہ (ہندی) از حضرت ریحان ملت)

انتخاب سجادگی اور پیران مارہرہ مطہرہ: خانقاہ عالیہ رضویہ کے انتخاب سجادگی کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کے پیر خانے "خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ" کے مشائخ کرام اور سجادگان کا کلیدی کردار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کا وصال ہوا تو آپ کی رسم سجادگی کی دستار احسن العلما علیہ الرحمہ نے مارہرہ شریف سے ارسال فرمائی۔ اور ساتھ ہی ساتھ بعد میں بنفس نفیس تشریف لا کر خود بھی آپ کی دستار بندی فرمائی۔ اس کے علاوہ اس سجادگی کی توثیق کے لیے ایک تحریر بھی عنایت فرمائی جو آج بھی حضور صاحب سجادہ کے مقبوضہ تبرکات میں موجود ہے۔ جس کا مضمون اس طرح ہے:

"حضرات علمائے کرام ومشائخ ذوی الاحترام، افراد خانوادۂ رضویہ و برادران اہل سنت، وابستگان آستانہ رضویہ زیدہ مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔!

کیوں کہ حضرت علامہ ریحان رضا خاں عرف رحمانی میاں علیہ الرحمہ متولی آستانہ رضویہ و سربراہ اعلیٰ جامعہ رضویہ منظر اسلام وچیف ایڈیٹر 'ماہنامہ اعلیحضرت' نے اس عالم فانی سے رحلت فرما کر انشاء اللہ تعالیٰ جوار رحمت میں مقام پایا، لہٰذا حسب تعامل قدیم و رواج خاندانی حضرت رحمانی میاں علیہ الرحمہ سے جتنے دینی و دنیوی مناصب اور ذمہ داریاں متعلق تھیں جن میں سے کچھ کا ذکر اسی تحریر کے شروع میں موجود ہے وہ ساری ذمہ داریاں اور مناصب حضرت رحمانی میاں علیہ الرحمہ کے خلف اکبر فاضل گرامی مولوی فیضان رضا خاں عرف سبحانی میاں کو تفویض کیے گئے اور سونپے گئے، اب عزیز موصوف اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی جگہ متولی درگاہ رضویہ و مسجد رضا نیز سربراہ اعلیٰ جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی و چیف ایڈیٹر ماہنامہ اعلیٰ حضرت اپنی زندگی بھر رہیں گے اور اپنے آبا واجداد کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعراس مبارکہ بھی یہی سبحانی میاں کرتے رہیں گے جس طرح ان سے پہلے ان کے والد مرحوم علامہ رحمانی میاں صاحب علیہ الرحمہ کرتے رہے ہیں۔ ان کو چاروں حقیقی بھائیوں سلمہم کی ہر طرح کی معاونت اور اپنے خانوادے کے موجودہ بزرگوں کی سرپرستی بھی انہیں انشاء اللہ تعالیٰ حاصل رہے گی۔ میں سید مصطفیٰ حیدر عرف حسن سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ مندرجہ بالا تحریر سے بحمدہ تعالیٰ مطمئن اور اس کا موید ہوں اور برابر دعائے خیر کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام". (دستخط)

فقیر برکاتی سید مصطفی حیدر حسن برکاتی

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ

بروز دوشنبہ مبارکہ ۲۵؍شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۵؍جولائی ۱۹۸۵ء

(مہر)

احسن العلما کی خلافت: حضور صاحب سجادہ حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ النورانی کے مسند سجادگی پر متمکن ہو جانے کے بعد احسن العلما علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ ساتھ ہی تمام مصائب وآلام اور دیگر پریشانیوں سے محفوظ و مامون رہنے کے لیے اپنا ایک مخصوص تعویذ بھی آپ کو عنایت فرمایا۔ اسی کے ساتھ احسن العلما علیہ الرحمہ آپ کو اپنا پانچواں بیٹا بھی فرمایا کرتے تھے۔ جو یقیناً احسن العلما کی آپ کے تئیں بے پناہ محبت والفت اور شفقت وکرم کا واضح ثبوت ہے۔

منصب سجادگی سے دست برداری: ریحان ملت علیہ الرحمہ کے وصال ۱۹۸۵ء کے بعد سے لے کر اب تک آپ نہایت ہی حسن و خوبی کے ساتھ مرکز اہل سنت کی عزت وآبرو کی حفاظت اور اس کے اقبال و وقار میں اضافہ کے لیے شب و روز انتھک کوشش کرتے رہے۔ مگر کئی سالوں سے متعدد پریشانیوں، الجھنوں اور طبیعت کی ناسازی کی بنیاد پر آپ اس عظیم ذمہ داری سے سبک دوش ہونا چاہتے تھے۔ مگر انتظار تھا تو اس بات کا کہ کب میرا شہزادہ اور میرا ولی عہد اس عہدے کا اہل ہو تا کہ میں اسے اپنے والد گرامی حضرت ریحان ملت علیہ الرحمہ کی وصیت کے مطابق یہ ذمہ داری سونپ سکوں۔ آپ نے سال گزشتہ اعلیٰ حضرت کے ۹۵؍ویں عرس کے بعد ہی سے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب یہ امانت حق دار و مستحق کے حوالہ کر کے وہ گوشۂ تنہائی اختیار کر لیں۔۔۔۔۔۔۔ (باقی آئندہ)

فیس بک اور وہاٹس ایپ کا استعمال

کتنا مفید کتنا مضر؟

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۱۵ء کا عنوان — لو میرج - اسباب و اثرات

اپریل ۲۰۱۵ء کا عنوان — دہلی اسٹیٹ حکومت اپنے طے شدہ مقاصد میں کامیاب ہے یا نہیں

سوشل سائٹس کا استعمال اور اس کے اصول و آداب

خالد ایوب مصباحی شیرانی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

عام طور پر کوئی بھی چیز فی نفسہ اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کی اچھائی یا برائی اس کے اچھے یا برے استعمال پر موقوف ہوا کرتی ہے۔ یہ ضابطہ جہاں دنیا کی عام چیزوں میں جاری اور عملاً نافذ ہے، وہیں فیس بک اور وہاٹس ایپ سمیت سوشل میڈیا کی دنیا بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ اگر ان دونوں کا صحیح استعمال ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغ اسلام، اصلاح معاشرہ، صالح تفکیر، حسن تدبر، مشاورت، مراسلت، تاثیر و تاثر اور تعمیم افکار کا بہترین ذریعہ ہیں، جن سے پوری دنیا جڑی ہوئی ہے۔ اور سالوں بلکہ عمروں میں کیا جانا والا کام ان کے توسط سے گھنٹوں میں کیا جا سکتا ہے۔ ایک کلک اور چند ساعتوں کی کھپت وہ گل کھلا سکتی ہے جس کا کل تک کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر ابھی ماضی قریب میں مصر میں پیدا شدہ انقلاب کی مثال پیش کی جا سکتی ہے، جس کے پیچھے بنیادی طور پر مکمل کردار فیس بک کا تھا۔ فیس بک کے واسطے سے ہی ڈکٹیٹر شپ کے خاتمے کی فکر عام ہوئی، اسی سے ذہنوں میں تبدیلی کا سور پھونکا گیا، اسی کے ذریعہ تغیر پسند لوگوں کی ٹیم تشکیل پائی اور پھر اسی سے بڑی شیرازہ بندی کے ساتھ احتجاجی جماعتیں وہاں کے تحریر چوک میں جمع ہوئیں۔ جس کے عظیم اور انقلابی نتائج کس روپ میں ظاہر ہوئے؟ اسے پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مدتوں مطلق العنانی کا شکار رہی زمین مصر کی مکمل تاریخ کا یہ اتھل پتھل کیا فیس بک کا جادوئی کرشمہ نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس سے متاثر ہو کر وہاں ایک آدمی نے اپنی بچی کا نام فیس بک رکھا۔

یہ مثبت پہلو تھا جب کہ اگر اسی واسطے کو غلط ڈگر پر ڈال دیا جائے تو تاریخ نے دیکھا ہے کہ اسی فیس بک نے ہزاروں گھر بھی اجاڑے ہیں، طلاقیں بھی کروائی ہیں اور جانیں بھی لی ہیں۔ ماڈرن ایج کے میاں بیوی فرضی آئی ڈی سے ایک عرصے تک باہمی چیٹنگ کرتے رہے اور آخر ایک دن جب ملاقات کے لیے دونوں ہوٹل پہنچے تو ایک دوسرے کو دیکھ کر اور مدتوں جاری رہی فحش چیٹنگ کے اپنے ہی کرتوتوں کو یاد کر کے دنگ رہ گئے اور پھر اسی دم اسی جا طلاق لے دے کر ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ کئی بار یہی صورت حال باپ اور

بیٹی کے درمیان میں بھی پیدا ہوئی اور باپ جہاں اپنے کالے کرتوتوں پر پشیماں ہوا وہیں اپنی بیٹی کے کردار پر بھی انگشت بدنداں رہ گیا جب کہ بچی بھی باپ کی اس کارستانی پر پانی پانی ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

راقم السطور ابھی زیر نظر مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ فیس بک نے اسی کے ساتھ ایک بڑی چوٹ کر دی۔ ہوا یوں کہ ایک دوست نے فون پر اطلاع دی کہ ایف بی پر اپنا پروفائل نام چیک کیجیے کسی نے پاس ورڈ ہیک کر کے ”خالد ایوب مصباحی“ کی جگہ ”خالد ایوب مصباحی ہندو“ کر دیا ہے۔ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ حیرانی کے ساتھ مزید پریشانی اس وقت ہوئی یہ جب ایڈیٹنگ کے تعلق سے یہ قانون دیکھنے کو ملا کہ پروفائل نام میں ایک بار ترمیم کرنے کے بعد ساٹھ دن سے پہلے دوبارہ کوئی ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن۔ بالکل یہی خرافات کئی ایک دیگر دوستوں کے ساتھ بھی کی گئی تھی اور ہر ایک کے ساتھ بس یہی ہوا کہ نام کے آخر میں ”ہندو“ کا لفظ بڑھا دیا گیا تھا۔

فیس بک پر اس طرح کی رذیل حرکتوں کے نتیجے میں ملک کئی بار سنگین حالات کا شکار ہو چکا ہے لیکن شرارت پسند عناصر اپنی فطرت سے مجبور معلوم ہوتے ہیں۔ ملک کے طول و عرض میں ہر دن کہیں نہ کہیں اس تعلق سے فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو ہی جاتا ہے اور ایک طبقے کی ناپاک ذہنیت یہی ہے کہ یہ سلسلہ تھمنے نہ پائے۔

آئے دن پیار کی شادیوں کے نام پر ڈھونگ رچنا اور صرف دو مطلب پرست نوجوان مرد اور دوشیزہ کا اپنے پیدا کرنے والے ماں باپ سمیت پورے کنبے اور تمام تعلق داروں سے ہمیشہ کے لیے رشتے ناطے توڑ لینا، نئی دنیا کے لیے ایک دل چسپ مشغلہ سا بن چکا ہے۔ اور اس میں شاید کسی کو تامل نہ ہو کہ یہ پورا کھیل زیادہ تر فیس بک کی دین ہوتا ہے۔ پہلے فیس بک سے دوستیاں ہوتی ہیں، باہمی تصویروں کا تبادلہ ہوتا ہے، چیٹنگ ہوتی ہے اور پھر موبائل فون کے ذریعہ رابطہ ہوتا ہے۔ اسکولز اور کالجز کی آزادیاں ملنے ملانے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ بچوں کی غیر ضروری مصروفیات سے ماں باپ کی لا تعلقی راستے کا ہر روڑا ختم کر دیتی ہے اور پھر شادی ہو یا نہ ہو وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

فیس بک اگر چہ کوئی بہت پرانی ایجاد نہیں لیکن اگر اس نو مولود ایجاد کی یہی چند سالہ مختصر سی تاریخ دیکھی جائے تو اس قسم کے سیکڑوں نہیں ہزاروں واقعات، حوادث اور کرشمے ملیں گے جبکہ لگ بھگ یہی صورت حال دیگر سوشل سائٹس کی ہے، فرق اتنا ہے کہ فیس بک اپنی نسبتا قدامت و عمومیت اور بے پناہ مقبولیت کی بنیاد پر زیادہ چرچوں میں رہا اور دوسری سائٹس کو وہ حیثیت نہ حاصل ہو سکی۔ جبکہ ادھر جب سے وہاٹس ایپ کی ایجاد ہوئی ہے، اس وقت سے فیس بک ہی کی طرح اسے بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور اس پذیرائی کا بنیادی سبب ہے اس سائٹ کی سہولت۔ لیکن اس کا عموم بھی لگ بھگ رفتہ رفتہ وہی تاریخ دوہرا رہا ہے جو فیس بک کا ریکارڈ رہی ہے۔ وقت کا ضیاع، پیسوں کی بربادی، نظریات کی جنگ اور برائیوں کی تعمیم، اس کے واضح نقصانات محسوس کیے جا رہے ہیں۔

اخلاق و کردار پر منفی اثرات مرتب کرنے کے علاوہ ان سوشل سائٹس کا جو دوسرا خطرناک پہلو ہے وہ ہے صحت اور معیشت پر غیر معمولی اثر اندازی۔ جس شخص کو ان چیزوں کی لت لگ جاتی ہے، دیکھا یہ جاتا ہے کہ اگر وہ کوئی بالغ نظر، ذی شعور اور قوت فیصلہ کا حامل فرد نہیں تو پھر گھنٹوں گھنٹوں ان میں یوں کھپا دیتا ہے جیسے زندگی کا کوئی اہم ترین مشغلہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ ظاہر ہے اس سے جہاں وقت اور پیسوں کی بربادی ہے وہیں موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ کی اسکرین پر مسلسل نظریں جمائے رہنے سے قوت بصارت اور مسلسل ہاتھ کی انگلیاں چلانے سے ان پر جو گہرے ضرر رساں اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بھی کسی لعنت کے طوق سے کم نہیں۔ جبکہ اس قسم کی سائٹس کا عام استعمال کمپیوٹر کی بجائے موبائل سے ہوتا ہے اور موبائل کی چھوٹی اسکرین کمپیوٹر کی اسکرین سے کئی گنا زیادہ نقصان دہ ہے۔ پیسوں کی بربادی کے لیے اتنا کافی ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے کمپنیوں نے ان چیزوں کی لت لگانے کے بعد نیٹ پیک کے دام جس تیزی سے بڑھائے ہیں وہ اس پورے طبقے کے لیے بے پناہ تشویش کا سبب بنا ہوا ہے اور اس تعلق سے کچھ آن لائن تو کچھ آف لائن احتجاجات بھی ہو چکے ہیں۔

خیر! یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ عام طور پر ہر چیز میں نفع و نقصان کے دونوں پہلو ہوا کرتے ہیں۔ سوشل سائٹس کے بھی یہی دونوں رخ ہیں جن کی ہلکی سی جھلک ہم نے اوپر دیکھی۔ اب ہم یہاں ان سائٹس کے استعمال کے کچھ اصول و آداب ذکر کر رہے ہیں جن کی رعایت سے امید ہی نہیں کامل یقین کی حد تک ضرر رساں پہلوؤں

سے بچا سکتا ہے۔

سوشل سائٹس کے استعمال کے اصول وآداب:۔

(۱) ضرورت بھر استعمال کریں: یعنی صرف ضروری گفتگو کے لیے استعمال کریں۔

(۲) ضرورت پر استعمال کریں: یعنی فضول چیٹنگ، گپ شپ، مضحکہ خیزیوں اور چوں چرا میں وقت ضائع نہ کریں کیوں کہ بہر حال یہ سب ضرورت کی چیزیں ہیں، دل چسپی کی نہیں اور وقت سے قیمتی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ ان کے استعمال کے لیے کوئی وقت مختص کر لیا جائے۔

(۳) ٹائم ٹو ٹائم یوز کریں، اپنی ٹائم اسی میں الجھا رہنا نہ دانش مندی ہے اور نہ ضروری۔

(۴) اہل خانہ کے لیے مخصوص اوقات ہرگز ان میں صرف نہ کریں، کیوں کہ یہ جہاں عقلاً جائز نہیں ویسے ہی اس سے پہلے شرعاً ناجائز ہیں۔

(۵) اسی طرح عبادات یا دیگر متعیّنہ اوقات جیسے ڈیوٹی کے ٹائم وغیرہ ان میں ہرگز صرف نہ کریں۔

(۶) ضرورت تک استعمال کریں: فحش تصاویر شیئر تو بہر حال نہیں کرنا ہے لیکن بھول چوک سے بھی ان کو زوم کر کے تفصیل کے ساتھ دیکھنا بھی نہیں ہے کیوں کہ بارہا نادانی میں اس طرح کی تصوریریں لائک ہو جاتی ہیں جو ہماری پروفائل دیکھنے والوں یا عقیدت کیشوں کے لیے تنفر اور بدگمانی کا باعث ہو سکتی ہیں۔

(۷) بلا ضرورت کمینٹ کرنا، کسی کو چھیڑنا اور خواہ مخواہ کسی کا بچولیا بننا معقول نہیں۔

(۸) اگر کوئی معقول بات یا معقول تصویر ہو تبھی شیئر کریں، ورنہ خواہ مخواہ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے دنیا کے لیے درد سر بننا دانش مندی نہیں۔

(۹) معقول بات شیئر کرتے وقت بھی یہ دیکھ لینا چاہیے کہ آپ کی شیئر کی ہوئی بات کسی بھی طور پر کسی کے لیے دل آزاری کا سبب تو نہیں؟

(۱۰) پرسنل باتیں شیئر کرنا حماقت ہے جیسے: میں فلاں جگہ روانہ ہو رہا ہوں، فلاں جگہ پروگرام میں ہوں، فلاں سے مل رہا ہوں وغیرہ، کیوں کہ یہ سب پرسنل سائٹس نہیں، سوشل یعنی قومی ہیں اور عام ہیں اور عام جگہ پر خاص گفتگو کہاں کی عقل مندی ہے؟ یہ وبا عام طور پر پائی جاتی ہے، اس کا علاج ہونا چاہیے۔

(۱۱) کسی بھی نظریے یا فکر سے اختلاف ہو تو بڑی سنجیدگی سے اس کا اظہار ہونا چاہیے کیوں کہ جس طرح ہمارے سامنے کوئی نہیں، اسی طرح پس دیوار کتنے ہیں، کیسے کیسے ہیں اور کون کون ہیں؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم، اس لیے احتیاط اور سنجیدگی کا دامن یہاں ہرگز نہ چھوٹے۔ فیس بک پر یہ لحاظ بھی بہت کم لوگ کر پاتے ہیں اور یہیں سے بے وقوفی یا عقل مندی کا پہلا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱۲) اگر ہو سکے تو خدمت خلق اور خوش نودی رب کے لیے استعمال کریں مثلاً: کسی کے تعاون کے لیے، کسی کی دینی، دنیوی، تعلیمی، سماجی، رفاہی، رہ نمائی کے لیے، کسی اہم اطلاع کے لیے، کسی سروس وغیرہ کے آفر کے لیے وغیرہ وغیرہ۔

(۱۳) ممکن ہو تو عادت بنائیں کہ دینی باتوں کو معقول، مستحکم، قابل اطمینان اور مدلل انداز میں پیش کر سکیں، پیش کش ایسی ہو کہ اولاً تو کسی کو اعتراض ہی نہ ہو اور اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بڑی معقولیت اور سنجیدگی سے اس کا شافی حل پیش کریں اور انداز بہر حال حکیمانہ اور داعیانہ ہو۔

تبلیغ دین کا یہ کام ان حقوق کی رعایت کے ساتھ ہر مسلمان کو بالعموم اور علما کو بالخصوص کرنا چاہیے اور ضرور کرنا چاہیے۔ کیوں کہ شاید ایسے آسان اور دل پذیر ذرائع سے زیادہ موثر ذرائع تبلیغ اور نہ مل سکیں۔ اور اس قسم کے ذرائع سے متاثر ہو کر آدمی سائیکولوجیکل طور پر جتنا جلدی اثر پذیر ہوتا ہے کبھی کبھار بالمشافہ افہام وتفہیم کے ذریعہ بھی اتنا متاثر نہیں ہوتا۔ یہ کام اس لیے بھی ضروری ہے کہ بد باطن لوگ اپنے باطل نظریات کے فروغ کے لیے ان سوشل سائٹس پر حشرات الارض کی طرح بکھرے پڑے ہیں، دل کش اور دل فریب ٹائٹلس کے ساتھ نت نئے گروپس، قسم قسم کے بلاگس، طرح طرح کی لنکس اور اب تو انڈرونڈ مارکیٹ نے سافٹ ویئرس کی ایجاد کو بھی اتنا سہل کر دیا ہے کہ ہر طرح کا مواد ویب سائٹس اور گوگل وغیرہ کی مدد کے بغیر ڈائرکٹ سافٹ ویئرس کے روپ میں مل جاتا ہے۔ اس کا ایک بڑا نقصان جو ہوا ہے وہ یہ کہ عام آدمی کے لیے اس مارکیٹ سے کسی بھی سافٹ ویئر کو ڈاؤن لوڈ کرنے سے پہلے یہ امتیاز کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے کہ کھرا کون سا ہے اور کھوٹا کون سا؟ ایسے میں

سب سے بہتر تو یہی ہے کہ ہمارے لوگ بھی انڈروئڈ مارکیٹ کا پورا فائدہ اٹھائیں اور جماعت اہل سنت کے انڈروئڈ سافٹ ویئرس زیادہ سے زیادہ اویلیبل ہوں۔ لیکن اگر علی الفور یہ نہیں کیا جا سکتا تو کم سے کم یہ ضرور ہونا چاہیے کہ وہاٹس ایپ گروپس، چھوٹے چھوٹ وڈیوز کی کلپس، ایک ایک عقیدے اور مسئلے کی چھوٹی چھوٹی امیجز وغیرہ بکثرت ہوں جن کی تحصیل بھی آسان ہو اور ان سے استفادہ بھی سہل۔ کیوں کہ اب طول طویل باتیں سننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کا زمانہ لد گیا۔ دنیا اب وہ پڑھنا چاہتی ہے جس میں محض ایک نظر سے کام ہو جائے، دوسری نظر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ محسوس ہو، جنھوں نے یہ سہولت دی ہے، وہ بڑھ رہے ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو ان آسانیوں کے دور میں بھی زمانے کے دوش بدوش نہیں کیا وہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اگر اس پسماندگی کا احساس نہ کیا گیا تو خدا نخواستہ وقت نکل جانے پر سوائے حسرت کے اور کوئی یارا نہیں ہوگا۔ اس لیے جوان میدانوں کے آدمی ہیں انھیں ان میدانوں کو سنبھال لینا چاہیے اور پھر سنبھل کر بیٹھ جانا چاہیے۔

اخیر میں بطور تشویق شاید اس بات کا ذکر بے جا نہ ہو کہ فقیر راقم السطور نے تقریبا سال بھر پہلے وہاٹس ایپ پر ”آن لائن مفتی“ نامی ایک گروپ بنایا تھا جس کا مقصد تھا عوام کو جوڑنا اور پھر ان کے دینی سوالات کے جوابات دینا۔ الحمد للہ اس گروپ کو اتنی مقبولیت ملی کہ یکے بعد دیگرے ”آن لائن مفتی“ ایک، دو، تین کرتے کرتے چھ گروپ بنانے پڑے جو تا دم تحریر اپنا کام کر رہے ہیں اور کامیاب ہیں۔ ان گروپس کی اتنی شہرت ہوئی کہ جہاں ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ ان سے وابستہ ہیں وہیں سعودی عرب، دوبئ، کویت، امریکہ، افریکہ، فیجی سمیت کئی ملکوں کے افراد استفادہ کر رہے ہیں۔ ان گروپس کا بنیادی مقصد عوام کی دینی گائڈنگ تھا اور جڑنے والا ہر ممبر اسی کا پابند لیکن رفتہ رفتہ یہاں وہ سب باتیں ہونے لگیں جو عام طور پر دار الافتاؤں میں ہوتی ہیں۔ روز مرہ کے مسائل، غیر مقلدوں کے بالمقابل احادیث ، جدید مسائل، اوراد و وظائف اور دیگر معمولات و معاملات وغیرہ۔ اب اسی سلسلے کو فقیر کے ہندی ماہ نامہ ”احساس“ جے پور، میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تجربے کی روشنی میں یہ کہنا صد فیصد بجا ہے کہ عوام آج بھی پیاسی ہے اور متلاشی ہے۔ اور اس ناحیہ سے راہ بروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جدید تقاضوں سے لیس ہو کر ساقی کا کردار ادا کریں۔

سر دست ان سائٹس کے ذریعہ جو کام بڑی آسانی سے اور پوری مقبولیت کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں وہ اس قسم کے ہو سکتے ہیں جن کی زیادہ ضرورت ہے: عقائد اہل سنت کی وضاحت۔ عقائد اہل سنت کا اثبات۔ باطل اور حق پرست فرقوں کا تعارف ۔ سیرت رسول ﷺ کی تعمیم ۔ مسائل شرعیہ کی عقلی و نقلی تفہیم ۔ جماعت اہل سنت کے علما، مدارس، تحریکوں، خانقاہوں اور اداروں کا تعارف۔ اعلام اہل سنت کی سوانحیات ۔ مسلمانوں کی سیاسی قیادت۔ معمولات اہل سنت کا دفاع وغیرہ وغیرہ۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ کریم ہمیں جذبہ تبلیغ، درد امت، احساس و شعور اور توفیق خیر عطا فرمائے۔ ☆☆☆☆

فیس بک کا جائز استعمال جائز اور ناجائز استعمال ناجائز

محمد عابد چشتی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف abid.chishti@rediffmail.com

گاؤں اور دیہات کے سادہ طبیعت لوگ اکثر اپنے گاؤں کو شہروں سے بہتر اور اچھا ثابت کرنے کے لیے یہ کہا کرتے تھے کہ—
” بھیا! کچھ ہو نہ ہو گاؤں میں اتنا تو اچھا ہے کہ جب چاہو جس سے چاہو ملاقات کر لو اپنے دکھ درد کی باتیں کر لو مگر شہروں کا تو برا حال ہے ایک بندہ دس کلو میٹر کی دوری پر رہتا ہے تو دوسرا پچیس کلو میٹر کی دوری پر اگر کوئی ضرورت پڑ جائے تو جلدی خبر تک نہ ہو“

پتہ نہیں سائنس دانوں اور ٹکنالجی کی دنیا سے وابستہ ماہرین کو کہاں سے اس بات کی خبر لگ گئی اور انہوں نے گاؤں والوں کی اس پریشانی

کا حل تلاشنا شروع کر دیا اور یہ عزم کر لیا کہ اب نہ صرف شہر بلکہ پوری دنیا کو ٹکنالجی کی کرشماتی طاقت کے ذریعہ گاؤں میں بدل دیں گے جس کے نتیجہ میں "گلوبل ولیج،، یعنی عالمی گاؤں کی اصطلاح کا وجود ہوا اور دیکھتے دیکھتے حیرت انگیز طور پر ساری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہوگئی اور اب جس طرح گاؤں کی صاف ستھری اور بے لوث فضا میں ایک دوسرے سے رابطہ آسان ہوتا ہے اسی طرح اب نہ صرف ایک شہر سے دوسرے شہر بلکہ ایک ملک سے دوسرے ملک کے درمیان رابطہ اور دعا سلام کرنا آسان ہو چکا ہے نیز مواصلاتی دنیا کی یہ سہولیات مزید ترقی کی طرف گامزن ہیں اور نہ صرف آواز یا ویڈیو کالنگ یا چیٹنگ پر تحقیق و تلاش کو بند کر دیا گیا ہے بلکہ اس کے آگے خود انسان کو روشنی میں بدل کر مطلوبہ مقامات تک پل بھر میں پہنچانے کا مزاج اور تصوراتی خاکہ بھی تیار کیا جا چکا ہے اب وہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ مزید کیسی حیرت انگیز تبدیلیاں ہماری دنیا میں رونما ہوتی ہیں فی الحال جن ذرائع سے انسانی رابطوں کا بازار گرم اور خوب گرم چل رہا ہے ان میں "فیس بک،، اور" واٹس اپ،، قابل ذکر ہیں

دنیا بھر کے اکثر انسان جس میں ہر مذہب، ہر کاسٹ اور ہر شعبہ کے لوگ شامل ہیں فیس بک یا واٹس اپ کا استعمال کر رہے ہیں ایک سروے کے مطابق فیس بک استعمال کرنے والوں کی تعداد ملک چین کی آبادی سے بھی تجاوز کر چکی ہے اور افراد کے جڑنے کا یہ سلسلہ تیزی کے ساتھ جاری ہے اب رہی یہ بات کی اس کو استعمال کرنے کی نوعیت کیا ہے تو یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ جہاں ان ذرائع کا استعمال مثبت فکر، نیک پیغام، امن، بھائی چارگی اور ایک دوسرے سے جڑ کر حالات و کوائف کے تبادلے کے تصور کے تحت کیا جا رہا ہے وہیں دوسری طرف ان کا استعمال ایسے لوگ بھی کر رہے ہیں جن کی زندگی جنسیات اور فحش کی تشہیر میں گزر رہی ہے مگر اس پہلو کو بنیاد بنا کر ہمیں کوئی بہت بڑا فیصلہ لینے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ یہ معاملہ صرف فیس بک یا واٹس اپ کا نہیں ہے بلکہ اب ہر اچھی چیز کا استعمال گندے مقاصد کے لیے کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے مثلاً حجاب ہی کو لے لیجئے شریف گھرانوں کی شریف عورتیں ان کا استعمال غیروں کی بد نگاہی سے خود کو محفوظ کرنے اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے کرتی ہیں اور یہی حجاب کا مقصد ایجاد بھی ہے مگر ممبئی جیسے شہروں میں انہیں حجابوں کا استعمال جسم فروش طوائفیں عیش پسند لوگوں تک آسانی سے پہنچنے کے لیے کرتی ہیں تاکہ حجاب کی باحیا آڑ میں بے حیائی کا کھیل بلا خوف کھیلا جائے دیکھئے چیز ایک ہی ہے اور مقصد الگ الگ ہیں۔ عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ فیس بک اور دیگر نوپید ذرائع کے توسط سے بے حیائی کو فروغ مل رہا ہے، نوجوان نسل اخلاقی اعتبار سے زوال کی طرف جا رہی ہے نیز بچوں پر بھی منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں مگر دوسری جہت سے دیکھیں تو انہیں ذرائع سے اسلام و سنیت کی تبلیغ اور نوجوانوں میں مذہب و شریعت کے تعلق سے بیداری بھی پیدا کی جا رہی ہے اور خود میری معلومات میں صرف ہندوستانی سطح پر سینکڑوں ایسے "گروپ اکاونٹ" فیس بک اور واٹس اپ پر بنے ہوئے ہیں جہاں سے اسلامی پیغام، احادیث کے ترجمے، قرآن کی آیتیں، غیر مسلموں کے جوابات اور شرعی مسائل کو حل کیا جاتا ہے آڈیو، ویڈیو، یا لکھ کر یہ کام انجام دیے جا رہے ہیں، کیرالا میں اکثر علما ان ذرائع سے جڑے ہوئے ہیں نیز یمن کے مشہور عالم دین جناب مفتی حبیب علی جفری جو خالص صوفیانہ مزاج کے حامل ہیں وہ بھی فیس بک اکاؤنٹ رکھتے ہیں مگر سبحان اللہ! جب بھی کوئی پوسٹ آئے گا تو عشق رسالت کا ہوگا یا خوف الٰہی کا ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جو جدید ذرائع کو فلسفہ کی طرح الحاد سمجھ کر چھوڑتے نہیں ہیں بلکہ خود بڑھ کر امام غزالی کی طرح اسی فلسفہ کو مسلمان بنا لیتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں ہم تو عرض کریں گے کہ ہماری مذہبی شخصیات زیادہ سے زیادہ ان ذرائع سے جڑیں اور کم وقت میں زیادہ لوگوں تک اسلام و سنیت کا پیغام پہچائیں اور اگر آپ نہیں جڑیں گے تو ہمارے غیر جڑیں گے اور وہ اپنا کام کریں گے خیر مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان ذرائع کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا جائز استعمال جائز ہے اور ناجائز استعمال ناجائز ہے۔ موقف واضح ہے استعمال کرنے والوں پر ہمارا کوئی زور نہیں۔

as you sow so you reap

☆☆☆

گوشۂ ادب

تفسیرِ نعیمی کے تعلق سے ایک الجھن کا حل

محمد آصف اقبال (کراچی)

کتابیں لکھنا اس امت کی خصوصیت میں شمار کیا گیا ہے۔ کتابیں لکھی جارہی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی، بعض کتب ایسی بھی لکھی گئیں جنہیں مصنفین مکمل نہ کرپائے تو بعد میں کسی اور نے ان کی تکمیل کی یا کچھ اضافہ کیا، اس حوالے سے جو کتب شہرت رکھتی ہیں ان میں تفسیر کبیر، تفسیر جلالین، بہار شریعت، تفسیر اشرفی، تفسیرِ نعیمی وغیرہ شامل ہیں۔ ایسی کتب میں بعض کا تو علم ہے کہ مصنف کی تحریر کہاں تک ہے اور بعد والے نے کہاں سے آغاز کیا مگر بعض کتب کے بارے میں یہ وضاحت وصراحت نہیں ملتی اور یہ الجھن باقی رہتی ہے کہ اصل مصنف کی تحریر کہاں تک ہے؟ اشرف التفاسیر المعروف ''تفسیرِ نعیمی'' کے متعلق بھی کچھ ایسی ہی الجھن سننے میں آتی رہتی تھی کہ محسن اہلسنّت، مفسر شہیر حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تفسیر قرآن کریم کی کس آیت طیبہ تک فرمائی ہے؟ اور آپ نے تفسیر کی کتنی جلدیں لکھی ہیں؟ اس لحاظ سے جب تفسیرِ نعیمی اور حضرت مصنف کی سوانح پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کیا تو تلاش وجستجو اور غور وفکر کا جو نتیجہ سامنے آیا اس کا ماحاصل پیش خدمت ہے:

حکیم الامت حضور مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۂ یونس کی آیت نمبر ۶۸ تک تفسیر فرمائی ہے جو گیارہویں جلد کے صفحہ ۴۱۴ (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات) پر مکمل ہوتی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ دسویں جلد مکمل اور گیارہویں جلد تقریباً تین تہائی تک حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے اور اس سے آگے کی تفسیر حضرت کے خلف الرشید صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی صاحب نے فرمائی ہے۔ شواہد حسب ذیل ہیں:

دسویں جلد کے آخر میں یہ کلماتِ تشکر درج ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تفسیرِ نعیمی کی دسویں جلد پارہ ''واعلموا'' آٹھ جمادی اولیٰ ۱۳۹۰ھ ۱۳ جولائی ۱۹۷۰ کو دوشنبہ کو شروع ہوئی اور آج ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ ۱۸ مارچ ۱۹۷۱ پنج شنبہ کے دن سوا دس بجے دوپہر نو مہینے بارہ دن میں بخیر وخوبی ختم ہوئی۔'' (تفسیرِ نعیمی، ج ۱۰، ص ۵۶۱)

سورۂ توبہ کی تفسیر کے اختتام پر مرقوم ہے: ''الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ ۳۱ مئی ۱۹۷۱ء بروز دوشنبہ چار بجے شام سورہ توبہ کی تفسیر مکمل ہوئی۔ **مجھے امید نہ تھی کہ میں تہائی قرآن مجید کی تفسیر لکھ لوں گا۔** یہ میرے رب کا کرم، اس کے محبوب کی نظر ہے کہ **مجھ ناچیز سے تہائی قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرادی۔** دعا ہے کہ رب تعالیٰ باقی دو تہائی کی تفسیر بھی مکمل کرادے۔'' (تفسیرِ نعیمی، ج ۱۱، ص ۱۶۰)

شکرِ نعمت کی ادائیگی پر مشتمل ان دونوں پیراگرافس کا بین السطور واضح کررہا ہے کہ دسویں جلد مکمل اور گیارہویں ''سورۂ توبہ'' تک کی تفسیر حضور حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہے اور اس سے آگے ''سورۂ یونس'' کی تفسیر مفتی صاحب نے کہاں تک فرمائی ہے؟ اِس کے لئے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سوانح نگار مولانا نذیر احمد نعیمی صاحب ''سوانح عمری'' میں حافظ سید علی صاحب کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ایک بار مفتی (احمد یار خان نعیمی) صاحب علیہ الرحمۃ نے اُن سے فرمایا: حافظ صاحب تم کو ایک بات بتاؤں کسی سے کہنا نہیں۔ میں نے عرض کیا: حضور ارشاد فرمائیں۔ فرمانے لگے: میری تقدیری عمر کل گذشتہ ختم ہوچکی ہے، آج سے دس دن پہلے میں نے اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اتنی مہلت اور عطا فرمائیے کہ '' اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس: ۶۲) '' والی آیت کی تفسیر لکھ لوں۔'' میری یہ التجا منظور ہوگئی اور تین ماہ مزید زندگی سرورِ کائنات نے رب تعالیٰ سے دلوادی، ہماری اب یہ زندگی عطیۂ

سرکار ہے۔ ﷺ ۔"

(سوانح عمری مع حالاتِ زندگی مفتی احمد یار خان، ص ۳۵)

ایک دوسرے سوانح نگار قاضی عبد النبی کوکب "حیاتِ سالک" میں فرماتے ہیں:

"تفسیر نعیمی کی سات جلدیں (پہلے سات پاروں پر مشتمل) طبع ہو چکی ہیں، آٹھویں پریس میں ہے نویں اور دسویں کا مسودہ مکمل ہو چکا ہے اور گیارہویں کی تالیف جاری تھی۔ اس میں آیت: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس:۶۲) کی تفسیر مکمل لکھ چکے تھے کہ حضرت مولف کا انتقال ہو گیا۔ (حیاتِ سالک مع حالاتِ زندگی، ص ۹۳)

قاضی صاحب کی رائے سے ذرا سا اختلاف کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ سورۂ یونس کی مذکورہ آیت ۶۲ سے آگے مزید چھ آیات کی تفسیر بھی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ نے ہی فرمائی ہے۔ اس کی دلیل تفسیر کا اسلوب ہے کیوں کہ سورۂ یونس کی آیت ۶۹ سے تفسیر کا اسلوب کئی اعتبار سے بدل گیا ہے جو کہ حضرت صاحب زادہ اقتدار احمد خان صاحب کا ہے جب کہ اس سے پہلے کی چھ آیات کا اسلوب وہی ہے جو حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی ما قبل تفسیر کا ہے۔ اسلوب کی تبدیلی اور اس کے چند فرق درج ذیل ہیں:

(۱) مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے مختصر نحوی تفسیر کے ساتھ ساتھ عالمانہ تفسیر فرمائی ہے جس کا عنوان صرف "تفسیر" ہوتا ہے جبکہ صاحب زادہ صاحب ابتدا میں مستقل "نحوی تفسیر" کے عنوان سے تفسیر کرتے ہیں جس میں لغوی ترجمہ اور اصطلاحی و شرعی ترجمہ علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں پھر "عالمانہ تفسیر" کے عنوان سے کچھ نہ کچھ نحوی تفسیر کے ساتھ آیت کے معانی و مفاہیم بیان کرتے ہیں۔

(۲) مفتی صاحب علیہ الرحمۃ "اعتراضات" ذکر کرتے وقت کوئی تمہیدی جملہ نہیں لکھتے بلکہ "پہلا اعتراض" لکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں جب کہ صاحب زادہ صاحب اولاً تمہیدی جملہ لکھتے ہیں پھر "پہلا اعتراض" سے اعتراضات کا آغاز کرتے ہیں مثلاً:

"اس آیت پر چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض" (تفسیر نعیمی، ج ۱۱، ص ۴۱۸) "اس آیت پر مخالفین کی طرف سے چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض" (ایضا، ص ۴۲۵) "اس پر چند طرح اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض" (ایضا، ص ۴۳۱) وعلی ہذا القیاس۔

(۳) مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی عادت ہے کہ وہ "تفسیر" کرتے ہوئے اکثر "کتب تفسیر" کے حوالہ جات بھی ذکر کر دیتے ہیں جب کہ صاحب زادہ صاحب حوالہ جات بہت کم اور کہیں کہیں ذکر کرتے ہیں۔

اسلوب کی تبدیلی اور یہ تینوں فرق سورۂ یونس کی آیت ۶۸ سے ما قبل اور ما بعد دیکھے جا سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ ہماری بات کی تصدیق خود قاضی عبد النبی کوکب کے ایک بیان سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ، انہوں نے مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی تصانیف کا تعارف کرواتے ہوئے تفسیر نعیمی کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے:

"اشرف التفاسیر تاریخی نام ہے جس سے ۱۳۶۳ھ کا سال برآمد ہوتا ہے۔ **حضرت صاحب اس تفسیر کو گیارہویں پارے کے آخری ربع تک مکمل کر چکے تھے۔**" (حیاتِ سالک مع حالاتِ زندگی، ص ۱۰۱) اور گیارہویں پارے کا "**آخری ربع**" سورۂ یونس کی آیت ۷۰ پر ہوتا ہے جو بنسبت آیت نمبر ۶۲ کے آیت نمبر ۶۸ سے زیادہ قریب ہے۔

نیز حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات و خدمات پر میسور (ہند) سے پی، ایچ، ڈی کرنے والے شیخ بلال احمد صدیقی نے گیارہویں پارے کی مکمل تفسیر صفحات ۵۶۸ کو حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ہی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس پر حاشیہ میں لکھا:

"اِس سے آگے پارہ ۱۹ اور ۲۰ تک کی تصنیف اقتدار احمد خان کو سعادت حاصل ہوئی۔"

(حالاتِ زندگی حکیم الامت مفتی احمد یار خان، ص ۹۳)

شیخ صاحب نے غالباً مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی تین تہائی تفسیر کو دیکھتے ہوئے پورے پارے کی تفسیر آپ کی طرف منسوب کر دی ہے مگر درست بات وہی ہے جو ہم نے شواہد کی روشنی میں پیش کر دی ہے۔ واللہ اَعْلَم بِالصَّوَاب

نوٹ: یہ تحریر خیر خواہی اُمت کے جذبہ کے تحت لکھی گئی ہے تاکہ کوئی اور ایسی کسی الجھن سے دوچار نہ ہو۔ اہل علم و اصحاب نظر سے التجا ہے کہ اگر کوئی غلطی پائیں تو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

☆☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب	:	نورِ ایمان
مصنف	:	حضرت علامہ محمد عبدالسمیع بیدلؔ رام پوری
صفحات	:	۸۰
قیمت	:	درج نہیں
ناشر	:	دارالاسلام C-8، محی الدین بلڈنگ داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور، پاکستان
مبصر	:	محمد طفیل احمد مصباحی

اردو ادب اور نثر کے جملہ انواع و اقسام میں "شاعری" ایک مقبول ترین اور ہر دل عزیز صنف ہے۔ افکار و نظریات اور خیالات و احساسات کے اظہار کا یہ ایک موثر، پر لطف اور انقلاب آفریں ذریعہ ہے۔ فکر و اعتقاد اور کردار و عمل کے جذبوں سے اقوام کو سرشار کرنے کا فریضہ اس نے ہر دور میں انجام دیا ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے: شاعری جزوے ست از پیغمبری۔ اردو کے کلاسیکی اور دینیاتی ادب کی تعمیر و تشکیل اور ترقی میں علماے کرام اور صوفیۂ عظام کی زریں خدمات تاریخ ادب کا ایک زریں باب ہیں۔

جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ و مولانا محمد عبدالسمیع بیدل رام پوری قدس سرہ کو کون نہیں جانتا؟ دنیاے اہل سنت سے زیادہ دنیاے وہابیت آپ کے نام اور کام سے واقف ہے۔ ردِ وہابیت پر بلند پایہ کتاب "انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ" کے مصنف آپ ہی ہیں، جس نے خرمنِ وہابیت و دیوبندیت میں آگ لگا دی تھی۔ قصبہ رام پور منہیاراں، ضلع سہارن پور آپ کا وطن مالوف ہے۔ سلسلہ نسب حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی، امام بخش صہبائی، علامہ صدر الدین آزردہ اور محدثِ جلیل مولانا احمد علی سہارن پوری آپ کے عظیم المرتبت اساتذہ میں سے ہیں۔ علوم و فنون میں مہارت و بصیرت کے ساتھ شعر و سخن میں آپ کو انفرادی مقام اور کمال حاصل تھا۔ مرزا غالب جیسے مسلم الثبوت شاعر، نقادِ فن اور ماہر استاذ کے آپ نام ور شاگرد ہیں۔

مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی شعری مہارت اور استادانہ کمال کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

(۱) حمدِ باری تعالیٰ (۲) طرازِ سخن (۳) جوہرِ لطیف [نعتیہ مثنوی]

زیرِ تبصرہ کتاب "نورِ ایمان" بیدل رام پوری کا وہ مجموعۂ کلام ہے جو صحت و صفائی اور سلاست و روانی کا بے مثل نمونہ ہے۔ شاعر کے فکر و فن اور ان کے شہبازِ تخیل کی بلند پروازی کا جائزہ لینے کے لیے نورِ ایمان ایک عمدہ اور معاون کتاب ہے اور اردو کے کلاسیکی اور دینیاتی ادب میں ایک گراں قدر باب کا اضافہ ہے۔

اس میں حمد نگاری کے جلوے بھی ہیں اور مناجات کی چاشنی بھی، نعتِ رسول ﷺ کے حسین نظارے بھی ہیں اور منظوم سیرت نگاری کے اجالے بھی۔ منقبت کے تازہ پھول بھی ہیں اور اسلامی اخلاق و آداب اور مضامینِ تصوف بھی۔ غرض کہ شعر و سخن کے اس بحر میں بیش قیمت ہیرے اور جواہرات پوشیدہ ہیں۔

نام کتاب	:	اصول افتا		
مدیرِ اعلیٰ	:	فضیلۃ الشیخ علامہ عمر بن محمد الشیخلی		
مترجم	:	مفتی دلشاد احمد قادری		
صفحات	:	۶۴ قیمت	:	درج نہیں
طباعت	:	۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء		
ناشر	:	تاج الفحول اکیڈمی، مدرسہ عالیہ قادریہ مولوی محلہ، ضلع بدایوں (یوپی)		
مبصر	:	محمد طفیل احمد مصباحی		

تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں شریف ایک عظیم اشاعتی ادارہ ہے، جو خالص علمی، تحقیقی اور اصلاحی کتب و رسائل، ادبی و شعری نگارشات اکابرِ بدایوں کی سیرت و سوانح، باطل افکار و نظریات کی تردید اور مسلکِ حق کی تائید میں گذشتہ کئی سالوں سے منظم طریقے پر اشاعتی خدمات انجام دے رہی ہے اور یہ دراصل شہیدِ بغداد حضرت مولانا اسید الحق قادری بدایونی کی قائدانہ بصیرت، انقلابی فکر اور ان کی علم دوستی کا نتیجہ ہے۔

زیرِ نظر کتاب "اصولِ افتا" فضیلۃ الشیخ علامہ عمر بن محمد الشیخلی بغدادی کی "الاتحاف بمصطلحات الاحناف" کا اردو ترجمہ ہے۔ فاضل مترجم مفتی دلشاد احمد قادری نے بڑی مہارت اور سلاست و روانی کے ساتھ اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ ترجمہ نگاری کی ایک بنیادی شرط دونوں زبانوں سے گہری واقفیت کے ساتھ متعلقّہ موضوعات و مسائل پر عالمانہ و ناقدانہ بصیرت بھی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ نہ صرف یہ کہ اردو و عربی زبان سے پوری طرح واقف ہیں، بلکہ فقہ و افتا کے ضروری مسائل اور ان کے بنیادی اصول و قواعد کے بھی رمز شناس ہیں۔ اس کتاب میں فقہ و افتا کے ضروری اصول و قوانین پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، ہر اصول کو ذکر کرنے کے بعد مثالوں کے ذریعہ اس کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ امام الائمہ سراج الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر ایک سنگین الزام اور بے بنیاد اعتراض یہ بھی ہے کہ آپ قیاس کو خبرِ واحد پر ترجیح دیتے تھے۔ علامہ شیخلی نے دلائل و براہین کی روشنی میں اس مفروضے کی پر زور انداز میں تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ امام موصوف پر یہ محض الزام و بہتان ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کتاب کے چند مشمولات ملاحظہ کریں:

(۱) ازروے روایت و درایت علماے احناف کی ترجیحات۔

(۲) قائل کے لحاظ سے راجح و مرجوح اقوال میں فرق و تمیز کے قواعد۔ اس کے تحت کُل گیارہ ضابطے بیان کیے گئے ہیں جو علمی افادات کے لحاظ سے پر مغز اور معنیٰ خیز ہیں۔

(۳) دلیل کی رو سے راجح و مرجوح قول میں امتیاز دینے کے اصول، اس بحث میں کل پانچ ضابطے بیان ہوئے ہیں۔

(۴) مشائخ احناف کی ترجیحات کے مابین دفعِ تعارض کے قوانین۔ اس ضمن میں ۱۶/ ضابطے درج ہیں اور ہر ایک اپنی اہمیت و افادیت کے اعتبار سے قابلِ قدر اور معلومات افزا ہے۔

(۵) امام اعظم کی رائے اختیار کرنے والے اصحاب یعنی وہ ائمہ احناف جنھوں نے امامِ اعظم ابو حنیفہ کی رائے کو اختیار کیا اور مطلقاً حدیث کو قیاس پر مقدم رکھا۔

(۶) مذہبِ حنفی میں خبر واحد کو لینے اور اس پر عمل کرنے کی شرطیں۔ اس باب میں ۸/ شرطیں ذکر کی گئی ہیں اور مثالوں سے صورتِ مسئولہ کی تفہیم کی گئی ہے۔

(۷) معتمد علیہ کتبِ احناف اور فقہ حنفی کی چند اہم مصطلحات۔

اردو زبان میں اس طرح کی خالص علمی اور تحقیقی کتابوں کی بڑی کمی ہے۔ اس تناظر میں "اصولِ افتا" شائقان فن کے لیے کسی علمی اتحاف (تحفہ) سے کم نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مصنف و مترجم اور ناشر کو جزاے خیر سے نوازے۔ ☆☆☆

(ص: ۴۹ کا بقیہ)............ آپ گوناگوں خوبیوں سے آراستہ تھے۔ سنجیدہ طبیعت کے مالک اور انتہائی خلیق و ملنسار تھے، مشربی اختلافات سے سخت نفرت تھی، نسبت کا بہت لحاظ رکھتے تھے، خانقاہوں کا احترام حد درجہ تھا، مشائخ و صوفیہ سے نیاز مندانہ و مخلصانہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور صوفیہ و عرفا سے بے پناہ محبت و الفت رکھتے تھے، علما، تلامذہ اور طلبہ سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ ہر ایک کی خبر گیری و خیریت پرسی کرتے۔

علاقائی سطح پر آپ کی دینی و سماجی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت مولانا عبد العزیز رضوی پورنوی کے انتقال کے بعد سے تاحیات بلا اجرت اپنے گاؤں کی جامع مسجد کے منصب امامت پر قائم رہے۔ دار العلوم تنظیم المسلمین، بائسی، پورنیہ میں ۱۰/ سال تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ تاحین حیات اس کے منصب صدارت پر متمکّن رہے، عزیزی لائبریری جنتاہاٹ بائسی کے صدر تھے، جنتاہاٹ سے جانب شرق (چینگی) عید گاہ کے پندرہ سال عیدین کے امام رہے، علاقے کے دینی و اصلاحی جلسوں اور پروگراموں میں شریک و سہیم ہوتے۔ جنتاہاٹ بائسی میں بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ عرس رضوی کا اہتمام و انصرام کیا کرتے تھے، جو آج بھی اسی انداز میں جاری ہے، اختتام عرس کے بعد علما و واعظین آپ کے دولت کدے پر تشریف لاتے اور مختلف علمی، قومی، ملی، سماجی مسائل پر باہم تبادلۂ خیالات کرتے۔ اس طرح سے آپ کی پوری زندگی علاقے کے فلاح و بہبود، خدمت خلق اور علم و اخلاق کی اشاعت میں گزری۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی دینی و سماجی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں غریق رحمت فرمائے، آمین، جملہ عوام، علما، مشائخ، طلبہ، احباب اور محبین و مخلصین سے مولانا مرحوم کے لیے دعاے مغفرت کی درخواست ہے۔

از: محمد عسجد رضا مصباحی، جنتاہاٹ بائسی، پورنیہ بہار

مناقب حافظ ملت

آج بھی

وہ ذاتِ پاک زینتِ دوراں ہے آج بھی
ہر دل کے رنج و درد کا درماں ہے آج بھی

وہ مردِ حق پرست وہ تقویٰ کا بادشاہ
تختِ دل و نظر کا سلیماںؔ ہے آج بھی

جیسا کہ لوگ ان کے تھے مدّاح پیش تر
ہر فردِ قوم ان کا ثنا خواں ہے آج بھی

جن کے سخن پہ چھوٹے بڑے ہوتے تھے نثار
ان پر فدا ہر ایک دل و جاں ہے آج بھی

روشن کیا تھا جس نے زمانے کو، شمع وہ
بزمِ خیال و دل میں فروزاں ہے آج بھی

کیسے تھے وہ شفیق وہ کیسے تھے مہرباں
ہر دل میں ان کی یاد درخشاں ہے آج بھی

وہ بندۂ عزیزؔ کہ جس کے جمال کی
یادِ حسین خلد بداماں ہے آج بھی

کل جس کے علم و فضل کا عالم میں شور تھا
اُس کا جہانِ تقویٰ ثنا خواں ہے آج بھی

تحسینؔ وہ تجلی بھی کیا تاب ناک تھی
جس کا گواہ شہرِ خموشاں ہے آج بھی

تحسین عالم رضوی، بھاگل پور

واہ واہ

حافظِ ملت کے ہاتھوں کا یہ پودا واہ وا
تشنگانِ علم کو دیتا ہے سایہ واہ وا

حق کہا اور حق سنا پھر حق سے جا کر مل گئے
پیش نذرانہ انھیں کرتی ہے دنیا واہ واہ

حضرتِ صدر الشریعہ کے تھے وہ شاگردِ خاص
اک نظر نے اک نظر کو کیسا پایا، واہ وا

حافظِ قرآن، عالم اور محدث بھی ہوئے
حافظِ ملت کو رب نے کتنا بخشا واہ وا

کی بزرگوں نے دعائیں اِس کی خاطر رات دِن
اہلِ سنت کی ہے آنکھوں کا یہ تارا واہ وا

آنکھ دائیں ہیں قمرؔ تو بائیں مولانا عبیدؔ
سچ ہے بالکل سچ یہ فرمانا تمھارا واہ وا

اے خداوندِ دوعالم سب بزرگوں کے طفیل
ہے دعا موتیؔ کی بخشا جائے بندہ واہ وا

مطیع اللہ خاں اعظمی موتیؔ

آپ خطیب الہند حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی سابق ایم پی کے برادرِ صغیر ہیں۔ برادرِ مکرم مطیع اللہ خاں اعظمی انتہائی بلند اخلاق ہیں، سیاسی اور سماجی معاملات میں بہت دور رس اور معاملہ فہم ہیں۔

تو حافظِ ملت شدی

چہ کردۂ یا مرشدی، تو حافظِ ملت شدی
دیدم نہ چوں تو دلبری، تو حافظِ ملت شدی

عاشق بہ گشتند عالماں، بر تو فدا کردند جاں
معشوق عالم تو شدی، تو حافظِ ملت شدی

بر دل تو قبضہ کردہ ای کہ صنعت ایں ساحری
دیدہ نہ شد در سامری، تو حافظِ ملت شدی

تو عاشق خیر الوریٰ، تو صاحب مجد وعُلیٰ
ایں بر تو فضلِ ایزدی، تو حافظِ ملت شدی

اے کہ تو کردی خونِ دل قربان بر ایں جامعہ
قطرہ را دریا ساختی، تو حافظِ ملت شدی

اوجِ ثریّا منزلت، رشد وہدایت پیکرت
در فقر شانِ خسروی، تو حافظِ ملت شدی

اے ضیغمِ غوثُ الوریٰ، اے ناشرِ فکر رضا
اے کہ حیاتت روشنی تو حافظِ ملت شدی

اے حق شناسا، حق نگر، اے حاملِ صبر و رضا
اے وارثِ علمِ نبی، تو حافظِ ملت شدی

غیاث الدین احمد مصباحی

وفیات

مولانا مسعود احمد برکاتی کی والدہ کا وصال

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی دام ظلہ العالی کی والدہ ماجدہ مسلمہ خاتون ۱۴؍ فروری ۲۰۱۵ء بروز سنیچر انتقال کر گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ ۸۵؍ سال کی تھیں اور بہت دنوں سے علیل چل رہی تھیں۔ وصال پر ملال کی خبر سن کر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ وطلبہ نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اور ان کے حق میں مغفرت ورحمت کی دعائیں کیں۔ جامعہ کے بہت سارے اساتذہ شریکِ جنازہ ہوئے، جن میں حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، حضرت مولانا عبدالحق مصباحی، حضرت مولانا دستگیر عالم مصباحی، حضرت مولانا ساجد علی مصباحی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ نمازِ جنازہ صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ نے پڑھائی۔ قارئین سے دعاے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

مولانا نذیر احمد نوری پورنوی کا انتقال پر ملال

میرے ماموں جان، پورنیہ کے معروف عالم دین حضرت مولانا نذیر احمد نوری پورنوی کا طویل علالت کے بعد اپنے گائوں میں ۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ اتوار کی شب (۱۱:۳۰) میں انتقال ہو گیا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ علاقہ کی ایک معروف ومتدین و متشرع شخصیت حافظ و قاری عبد الصمد رضوی نے پڑھائی جس میں ہزاروں مسلمان شریک ہوئے۔ اور تدفین اپنے آبائی قبرستان میں عمل میں آئی۔ پسماندگان میں آپ کی اہلیہ محترمہ یعنی میری مامی جان اور پانچ اولاد ہیں جن میں تین لڑکے محمد قیصر رضا، مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی، مولانا انصر رضا امجدی اور دو لڑکیاں شامل ہیں۔

موصوف علاقے کے با اثر عالم دین، پابند شریعت اور زبردست عامل تھے، دعا و تعویذ میں زود اثر رکھتے تھے، ہزاروں پریشان حال آپ کی بارگاہ میں آتے اور اپنی مرادیں پاتے۔ مشہور نوجوان عالم دین حضرت مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی [صدر المدرسین وشیخ الحدیث، دار العلوم شیخ احمد کھٹو، احمد آباد، گجرات و نائب قاضی، دار القضا احمد آباد، گجرات] آپ کے سعادت مند فرزند ہیں۔

آپ آسجہ، ضلع پورنیہ، بہار میں ۱۹۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پائی پھر ہرنتوڑ بائسی میں، اس کے بعد علاقے کا قدیم اور تاریخی تعلیمی ادارہ، دارالعلوم مصطفائیہ، درگاہ شریف چمنی بازار پورنیہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی، اس وقت مذکورہ ادارہ میں مجدد سلسلۂ رشیدیہ شیخ الاسلام علامہ ابو صالح غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی وغیرہم جیسے اساطین علم و فضل منصب تدریس کو رونق بخش رہے تھے۔ اس کے بعد علوم وفنون کی تکمیل اور سند فراغت کی تحصیل دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف میں کی بیعت و ارادت کا شرف حضور مفتی اعظم ہند سے رکھتے تھے، نیز دعا وتعویز کی اجازت انہی سے حاصل تھی۔ اساتذہ میں شیخ الاسلام علامہ ابو صالح غلام محمد یٰسین رشیدی پورنوی، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی، امام علم وفن علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی،، منشی محمد تصنیف ہرنتوڑی علیہم الرحمہ، امام النحو مولانا بلال احمد پورنوی،، مفتی محمد اعظم خان، مولانا عبدالرشید رشیدی دام ظلہم وغیرہم جیسی بلند پایہ علمی شخصیات شامل ہیں۔

بعد فراغت متعدّد اداروں میں تعلیم دے چکے ہیں، پانکی، ضلع پورنیہ میں چھ سال، بگھاباڑی، علاقہ گوال پوکھر ضلع اتر دیناج پور میں پانچ سال، مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم، حور اجرا سونا پور، بارسوئی، کٹیہار میں آٹھ سال، دارالعلوم تنظیم المسلمین بائسی میں ۱۰؍ سال تدریسی زندگی گزاری۔ تادم حیات دارالعلوم اہل سنت امان الاسلام، جنتا ہاٹ، بائسی پورنیہ میں صدر المدرسین کے عہدہ پر تدریسی خدمات پر مامور تھے۔ آپ کے بے شمار تلامذہ درس وتدریس کے افق پر نیر تاباں بن کر طلوع ہوئے اور مرجع خلائق کے حامل ہوئے۔ جن میں مفتی آل مصطفی مصباحی، مفتی قاضی فضل احمد مصباحی، مفتی قاضی فضل رسول، مولانا کاظم رضا وجد نعیمی، مولانا حسنین رضا نعیمی، مولانا مزمل حسین رضوی، مولانا شرافت حسین رضوی، مولانا سعید الرحمن قادری نعیمی مولانا تبریز رضا افقر اور مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی وغیرہم قابل ذکر ہیں۔............ (باقی ص:۷۴ پر)

صداے باز گشت

اعلیٰ حضرت نے کنزالایمان میں لغت کو نظر انداز نہیں کیا

مکرمی!......................سلام مسنون

جنوری ۲۰۱۵ء کا ماہ نامہ موصول ہوا، اس کے گوناگوں شمولات کو پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، خصوصًا استاذی الکریم مدیر محترم کا مضمون جو تبدیلیِ مذہب پر کافی فکر انگیز اور معلومات افزا ہے۔ نائب مدیر مولانا طفیل احمد مصباحی کا ”توحید و رسالت پر ایمان اور اس کے لازمی تقاضے“ جیسا اصلاحی مضمون بھی پڑھنے اور عمل کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان بیش بہا مضامین سے استفادہ کے بعد جب راقم کی نظر ”صداے باز گشت“ کے کالم پر پڑی تو پھر وہی ہزار کے معنیٰ و مفہوم کی تعیین کا سابقہ اختلاف تھا، یہ اختلاف بھی معلوماتی ہے، لیکن محمد خلیل مصباحی چشتی کے مضمون کے اس حصے نے قارئین کو انگشت بدنداں کر دیا۔ انھوں نے کہا:

”دیکھیے عربی لفظ ”ضال“ کا لغوی معنیٰ بہکنا، بھٹکنا، گم راہ ہونا ہے اور خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی سورۂ فاتحہ کے اخیر اور سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۱۹۸ کے آخر میں ”الضالین“ کا ترجمہ یہی بہکے ہوؤں کیا، مگر جب ”وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى“ کا ترجمہ کرتے ہیں تو لغت کو نظر انداز کرتے ہوئے یوں ترجمہ کرتے ہیں: ”اے محبوب ہم نے تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔“ اب اگر لغت کو معیارِ پیمانہ مان لیا جائے گا تو معاذ اللہ اس ترجمے کو غلط کہنا پڑے گا مگر حق پسند منصف مزاج اور ہدایت یافتہ لوگوں نے اس ترجمے کو صحیح مانا ہے، کیوں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے حضور ﷺ کی شانِ رسالت و عظمت و عصمت کے عین مطابق ترجمہ کیا ہے۔ لغت کی پرواہ نہیں کی ہے۔ اور جن لوگوں نے لغت کی بنیاد پر ترجمہ کیا ہے وہ اللہ و رسول کی شان میں گستاخیاں کر بیٹھے ہیں۔“ (ماہ نامہ اشرفیہ، شمارہ جنوری ۲۰۱۵ء)

مندرجہ بالا عبارت یقیناً چشتی صاحب کی اپنی فکر پر مبنی ہے ورنہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے لغت کو بالکل نظر انداز نہیں یا، بلکہ متعدّدِ کتبِ لغات و تفاسیر میں ”الضال“ کا معنیٰ جو اعلیٰ حضرت نے کیا ہے، موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت پر اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے سے پہلے آدمی کو سوچ لینا چاہیے۔ ذیل میں چند کتابوں سے ایسی عبارتیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں ضال کو محبت کے معنیٰ میں کہا گیا ہے۔

(۱) امام ملا علی القاری الحنفی (متوفی ۱۰۱۴ھ) نے شرح شفا میں فرمایا:

”قال ابن عطا: ووجدك ضالاً أي محبا لمعرفتي فهداك إلىٰ طريق محبتي ونيل مودتي، والضال، المحب أي في بعض اللغات. كما قال سبحانه تعالىٰ حكاية عن بنى يعقوب مخاطبين لابيهم انك لفى ضلالك القديم (يوسف/ ۹۵) أي محبتك القديمة ولم يريد واهٰهنا الضلال فى الدين إذ لو قالوا ذلك في نبى الله أي يعقوب عليه السلام لكفروا بيقينٍ و مثله قوله سبحانه حكاية عنهم. انا لنراها فى ضلال مبين أي محبة بينة أي ليوسف ومؤدة ظاهرة من كثرة التهلف والتأسف. (شرح شفا، ج:۲، باب اول فصل ثانى، ص:۲۰۶، ۲۰۷، مطبوعه دار الكتب العلمية، بيروت)

یعنی ملا علی قاری نے ابن عطا کے حوالے سے فرمایا کہ (فرمانِ باری) ”میں نے تم کو ضال پایا“ یعنی اپنی معرفت کے لیے محبت میں تم کو خود رفتہ پایا تو اپنی محبت و مودت کی طرف راہ دی۔ اور ضال کا معنیٰ محب، بعض لغات میں موجود ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے بنی یعقوب کی بات کو حکایۃً بیان فرمایا، جسے ان لوگوں نے اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ ”بے شک آپ تو ضرور اپنی دیرینہ محبت میں ہیں“ یہاں ان لوگوں نے ”الضلال“ سے دین میں گم راہی مراد نہیں لی تھی، کیوں کہ اگر وہ لوگ اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے کہتے تو یقیناً کافر ہو جاتے اور ایسا ہی باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو ان لوگوں کی طرف سے بطور حکایت ہے۔ ”انا لنراها فى ضلال مبين“ یعنی ہم اسے کھلی محبت میں دیکھ رہے ہیں۔

(۲) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی زیرِ بحث آیۂ کریمہ کے تحت فرمایا:

الضال بمعنىٰ المحبة كما فى قوله "إنك لفى ضلالك القديم" أي محبتك و معناه إنك محب فهدينك إلى الشرائع التى بها نتقرب إلىٰ محبوبك." (تفسیر کبیر، ۳۱/۲۱۸، دار الفکر، بیروت)

یعنی ضال بہ معنیٰ محبت ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے قول ”انك لفى ضلالك القديم“ میں ہے، یعنی آپ اپنی دیرینہ محبت میں ہیں، اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ آپ محبت میں خود رفتہ ہیں تو ہم نے آپ کو شرائع کی طرف راہ دی جن کے ذریعہ آپ اپنے محبوب سے تقرب حاصل کریں گے۔

مندرجہ بالا محولہ عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ امام اہلِ سنت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لغت کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ایک مشترک المعنیٰ لفظ کے اس صحیح معنیٰ کو یہاں لیا جو مزاجِ شریعت کے عین مطابق تھا اور متقدمین ائمہ و مفسرین نے بھی اس آیت کا وہی معنیٰ لیا ہے۔ ہاں! یہ الگ بات ہے کہ دورِ حاضر

کے بعض مفسرین و مترجمین نے، جن کا تعلق ان مکاتبِ فکر سے ہے جن کی بنیاد توہینِ توحید اور تحقیرِ رسالت پر ہے اور مشترک المعنیٰ الفاظ میں تنقیصی پہلو ان کا مطمحِ نظر اور باعثِ مسرت ہوتا ہے۔ ایسے مترجمین نے ضال کا معنیٰ گم راہ کردیا ہے۔ اگرچہ ضال کے چند معنوں میں سے یہ بھی ہے، لیکن اس آیت میں یہ معنیٰ خود قرآن کی سورۃ النجم کی آیتِ کریمہ "ماضل صاحبکم وما طغیٰ" کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا کہ تمھارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ گم راہ نہیں ہوئے۔ بخوفِ طوالت انھیں چند حوالوں پر اکتفا کیا جارہا ہے، امید ہے کہ حق واضح ہوگیا اور اس سے امامِ اہلِ سنت کے حق میں اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے والے، خاص طور سے حافظ محمد خلیل چشتی اپنی اصلاح کر لیں گے۔ اگر ضرورت پڑی تو پھر انشاء اللہ مزید روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

محمد شعیب احمد مصباحی۔ کشن گنج (بہار)

ہزار، لاکھ اور کروڑ سے تحدید نہیں بلکہ تکثیر ہوتی ہے

مکرمی! .... سلام مسنون

گزشتہ کئی ماہ سے مولانا حسن رضا اطہر بوکاروی کی نعت کے ایک مصرع "ہزار رنگ کے پھولوں سے ڈھک گئی دنیا"، پر مولانا خلیل مصباحی اور ابوالتمش اعظمی کے مابین علمی اور فنی مباحثہ دلچسپ رہا۔ خلیل مصباحی کا اعتراض لفظ "ہزار" پر ہے کہ حضور ﷺ کے بے شمار فیض رسانی ہزار کی گنتی میں سمٹ گئی ہے اگرچہ یہ اہانت کے زمرے میں نہیں تاہم خوب سے خوب تر بھی نہیں ہے اس لیے مذکورہ نعت کے مطلع پر ایک اور شعر کا اضافہ کردینا بہتر ہوگا۔

نبی کی رحمت نوری سے ڈھک گئی دنیا
وہ کائنات میں آئے چمک گئی دنیا

چشتی صاحب کی اس تنقید کا تعاقب ماہ دسمبر ۲۰۱۴ء کے شمارہ میں ابوالتمش اعظمی نے "خلیل احمد چشتی کے مکتوب کا تنقیدی جائزہ" نامی مراسلہ میں کیا۔ انھوں نے دونوں کے اشعار کی تقطیع کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ خلیل مصباحی کا مصرع حسن رضا کے مطلع کے وزن پر نہیں ہے نیز چشتی صاحب کے دوسرے شعر کا ثانی مصرع "آخری پھول کھلا تو مہک گئی دنیا" بحر سے خارج ہے۔ اس عروضی تنقید کے بعد خلیل احمد مصباحی کا ماہ جنوری ۲۰۱۵ء کے شمارے میں جواب الجواب کے طور پر اپنی ہی بات منوانے کی رٹ لگانا بے معنیٰ ہے، کیوں کے شان الوہیت و رسالت میں مستعمل ہزار، لاکھ اور کڑور کی گنتی سے تحدید نہیں بلکہ تکثیر مقصود ہوتی ہے۔ اگر تکثیر مراد نہیں لی جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ فیضان مصطفی ﷺ لاکھ دو لاکھ ہی میں کیوں محدود؟ سرکار کا فیضان ان گنت ہے اور اگر کوئی گن کر تحدید بھی کرنا چاہے تو یہ اختیار ہمیں اور آپ کو کہاں سے مل گیا؟۔ اس لیے کہ عظمت، رفعت، مدحت اور حقیقتِ سرکار کے سامنے بڑے بڑوں نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعداز خدابزرگ توئی قصہ مختصر

(مولانا جامی)

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کردیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

[اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی]

اور ایسی نظیر ہادی دوعالم ﷺ کی حدیث پاک میں بھی موجود ہے:

عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ الایمان بضع و ستون شعبۃ .(بخاری شریف ج۱ ص ٦ ۔ کتاب الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایمان ساٹھ اور چند شاخوں پر مشتمل ہے۔ اسی مضمون کی دوسری حدیث میں ایمان کے ستر سے زائد شاخوں کا تذکرہ ہے حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ الایمان بضع وسبعون شعبۃ ﴿مشکواۃ شریف، کتاب الایمان﴾

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان ستر اور چند شاخوں پر مشتمل ہے۔

بظاہر بخاری اور مشکوٰۃ کی حدیث میں تعارض نظر آتا ہے مگر درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے کیوں کہ قلیل کثیر میں داخل ہوتا ہے۔ اور بعض شارحین حدیث نے دونوں حدیثوں میں تعارض دفع کرنے کے لیے یہ فرمایا کہ ساٹھ سے اوپر اور ستر سے زائد جو فرمایا گیا ہے۔ تو ان دونوں گنتیوں سے تعین و تحدید مراد نہیں ہے بلکہ تکثیر مراد ہے۔ یعنی حضور کا یہ مطلب نہیں کہ خصائل ایمان ساٹھ سے کچھ زائد ہیں یا ستر سے اوپر ہی ہیں۔ بلکہ ان دونوں سے مراد ہے کہ ایمان کی خصلتیں بہت زیادہ ہیں جیسے ہمارے اردو کے محاورے میں یہ کہا جاتا ہے کہ میں نے پچاس مرتبہ تم کو حکم دیا اور ستر مرتبہ منع کیا۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا ہے کہ گن کر پچاس مرتبہ حکم دیا اور گن کر ستر مرتبہ منع کیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے بہت مرتبہ تم کو حکم دیا اور بہت مرتبہ تم کو منع کیا

(اشعتہ اللمعات شرح مشکواۃ ص۔/ ۲۱۲، ۲۱۱، نوادر الحدیث ص/ ۴۸)

ایسے ہی شان رسالت میں مستعمل الفاظ ہزار، لاکھ اور کڑور سے تحدید نہیں بلکہ تکثیر مراد ہوتی ہے۔ فقط محمد طاہر حسین مصباحی، بوکاروی

خادم حنفی دارالافتا، دارالعلوم شمسیہ، لاتیہار (جھارکھنڈ)

کنیڈا میں اہلِ سنت و جماعت ابتدائی مرحلے میں ہیں

مکرمی! .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عالیجاہ: خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ کچھ دنوں سے کینیڈا رہنا ہو رہا ہے

اس ملک کا جائزہ لینے کے بعد یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ یہاں اہل سنت و جماعت اس وقت ابتدائی مرحلے میں ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ٹورنٹو میں حکومت سے منظور شدہ مسجدوں کی تعداد ایک سو پانچ ہیں جن میں اہل سنت و جماعت کی مسجدیں دس کی تعداد میں ہوں گی مصلّٰی جہاں عارضی طور پہ نماز کی جگہ متعیّن کی جاتی ہے اس کو بھی اسی پر قیاس کرلیں یہ صرف ایک صوبہ کا حال ہے۔

اب حفاظ و علما کا پہنچنا بھی اتنا آسان نہ رہا جب آسانی تھی احباب اہل سنت نے توجہ نہ دی جب کہ غیروں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا۔ کچھ مسجدیں جو اہل سنت نے بنائیں اپنا امام نہ ہونے کے سب وہ بھی ہاتھ سے گئیں۔ ابھی تک میں نے پانچ علما کو بلانے کی پوری کوشش کی لیکن کچھ حضرات تو کسی ملک کا سفر نہ کرنے کی وجہ سے ویزا لینے میں ناکام ہوئے اور کچھ لوگوں کے پاس خاطر خواہ دستاویز نہ تھے اس لیے کچھ ضروری باتیں ماہنامہ اشرفیہ کے توسط سے خواہش مند نوجوان علما تک پہنچانا چاہتا ہوں جس سے مستقبل میں ان کو یورپ و امریکہ کا ویزا لینے میں آسانی ہو۔

یورپ و امریکہ کے ویزا کے لیے کچھ ضروری خانہ پری :

(۱) ووٹر آئی ڈی (۲) پاسپورٹ دو سال کا ویلیڈ ہونا ضروری ہے۔ (۳) انگلش اسپیکنگ مضبوط کریں۔ (۴) ہر سال انکم ٹیکس فائل کریں تین سال کے انکم ٹیکس فائل کی زیرکس ضرورت پڑتی ہے۔ (۵) لین دین زیادہ تر بینک کے ذریعہ کریں چھ ماہ کا اسٹیٹس دینا ضروری ہوتا ہے۔ (۶) ایل۔ آئی۔ ٹی۔ کا امتحان پاس کرکے رکھیں مستقبل میں ضرورت پڑتی ہے ہندوستان میں آسانی ہے۔ (۷) مادر علمی سے تدریس و امامت تک کا اپنا پورا ریکارڈ رکھیں۔ (۸) اگر ہو سکے تو کچھ ممالک کا سفر کرلیں تاکہ ٹراویل اسٹوری مضبوط رہے ویزا نا منظور ہونے کی یہ ایک خاص وجہ ہے۔ (۹) اردو، عربی اور ہندی میں جو سرٹیفکیٹ ہیں چاہے وہ شادی ہی کا کیوں نہ ہو ان سب کو حکومت سے منظور شدہ مترجم سے انگلش میں ترجمہ کرا کے رکھیں۔ (۱۰) زمین اور جائدا کے کاغذات کو اپنے نام کرا کر رکھیں۔

خواہش مند علما معلومات کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ ہر ممکن تعاون کے لیے بندہ تیار ہے۔

ای میل آئی ڈی : susalma786@yahoo.com

محمد شبیر عالم مصباحی کلکتہ۔ جامعہ ریاض الجنہ ٹورنٹو، کناڈا۔

ماہ نامہ اشرفیہ طلبہ و اساتذہ کے لیے یکساں مفید

مکرمی !.............................سلام مسنون

امید کہ مزاجِ عالی بخیر ہوگا۔

آپ کا مجلہ ”اشرفیہ“ اپنی تمام تر خصوصیات اور عمدہ طباعت کے ساتھ ”مکتبہ مرکزیہ“ جامعۃ الفلاح کو پابندی سے موصول ہو رہا ہے۔

یہ مجلہ علمی و تحقیقی مضامین اور حسن انتخاب کے لحاظ سے طلبہ و اساتذہ کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ اللہ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

محترم اس مجلہ سے کم و بیش ساڑھے چار ہزار طلبہ و طالبات، اساتذہ و معلمات استفادہ کرتے رہے ہیں اور عوام و خواص کی ایک بڑی تعداد نے پسند بھی کیا۔ امید کہ آئندہ بھی موصول ہوتا رہے گا۔ نوازش ہوگی۔ والسلام

عرفان احمد فلاحی. جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

ماہ نامہ اشرفیہ عالمی پیمانے پر اپنا کردار ادا کر رہا ہے

مکرمی !.....................سلام مسنون

ماہنامہ اشرفیہ اہل سنّت کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر اسلام کا روشن رخ عیاں کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔ جس پر آپ داد و تحسین کے مصداق ہیں۔ قومیت اور بین الاقوامیت ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر بہت مباحثے اور مکالمے ہو رہے ہیں۔ دنیا میں اس حوالے سے اسلام کے متعلق زہر آلود فکر عام کی جارہی ہے۔ چناں چہ اسی حساسیت اور اہمیت کو بھانپتے ہوئے ایک مضمون پیش ہے۔ امید سعید ہے کہ قارئین کو صحت مند معلومات فراہم ہوگی۔ اللہ کریم ہمیں عمل صالح کی دولت عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر ظہور احمد دانش. میڈیا ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا

مکرمی !.....................سلام مسنون

۲۲؍ جنوری ۲۰۱۵ء کو جس طرح ملک کے ایک نہایت معزز و موقر اور بلند پایہ سماجی و ملی رہنما و قائد یعنی حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی بانی و مہتمم دار القلم ذاکر نگر دہلی کو اوکھلا دہلی کی کوتوالی نے بلایا اور پوچھ گچھ کا یہ عمل گو کہ بآں عزت و توقیر و ہزاروں احساسات ذمہ دار کے ساتھ تھا۔ تاہم کوتوالی کی یہ پوچھ تاچھ بجائے خود ہتک عزت و توہینِ نفس سے کسی طور پر کم نہیں۔ ہم جملہ غیور و حساس وفادارانِ وطن اس کی شد و مد کے ساتھ مذمت کرتے ہیں اور وزارتِ داخلہ سے اس بابت تحقیق و تفتیش کرنے اور کوتوالی کے مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے طلب گار بھی ہیں۔ اس لیے کہ حضرت مصباحی صاحب ملک کے کسی ایسے ویسے شخص کا نام نہیں، بلکہ وطنِ عزیز کے ایسے منتخب روزگار سپوت کا نام ہے کہ جن سے عالمی سطح پر ہندوستان کی جمہوریت، سیکولرازم اور گنگا جمنی تہذیب کی شناخت وابستہ ہے۔ حضرت ممدوح ملک میں ہوں جب بھی یہاں کے اعتبار و وقار، یہاں کے علم و فن، یہاں کی تہذیب و ثقافت اور یہاں کی زرخیزی سے ایک عالم کو شبانہ روز روشناس کراتے رہتے ہیں۔ آپ ملک کی اس

ممتاز شخصیات میں سے ایک ہیں کہ جو بغیر کسی حرص و ہوس اور اقتدار و کرسی کی لعنت سے دامن کشاں ہو کر بڑے خلوص و بے لوثی کے جذبات کے ساتھ یہاں کے رنگارنگ ماحول و فضا اور مشترکہ قومیت کے مزاج و طبع کو تقویت پہنچانے میں تقریباً چار عشروں سے کوشاں و جہد کناں ہیں۔ میرے ان دعوؤں پر دلائل کا ایک تسلسل ہے، ضرورت پڑنے پر انھیں پیش بھی کر سکتا ہوں۔

۱۹۹۰/۹۱ء ہی کی بات ہے! حضرت پاکستان کے دورے پر تھے اور وہاں آپ نے ہفتوں قیام فرمایا تھا۔ لاہور یا کراچی شہر میں کوئی بڑی کانفرنس یا سیمینار تھا۔ اس میں آپ مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے سیمینار جب عالم شباب پر تھا تو اسی دوران کسی خطیب نے عالمی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے روئے سخن ہندوستان کی طرف کر دیا، اور یہاں کے داخلی و سیاسی و سماجی حالات پر لن ترانی فرماتے ہوئے یہاں کی مسلم اقلیت کے تعلق سے بھی کچھ غیر مناسب تبصرہ کر ڈالا اور کچھ حد تک مگر مچھ کے آنسو بھی بہائے۔ حضرت مصباحی صاحب سچے پکے ہم درد و وفادار وطن بھلا کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ آپ اپنی نشست سے اٹھے اور سیدھے جا کر مائک سنبھال لیا۔ اور پھر پوری ذمہ داری اور معزز و مقتدر ہندوستانی شہری کی حیثیت سے آں جناب کے تبصرے اور تمام اعتراضات کے جوابات دیے۔ اُس پاکستانی جناب والا نے ممدوح پر چوٹ کرتے ہوئے کہا تھا "ہندوستانی مسلمان وہاں کے نام نہاد سیکولر ہندو حکومت کے رحم و کرم پر جیتا ہے۔ آپ نے اس چوٹ کا معقول اور مسکت جواب دیا، وہ سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپ گویا ہوئے۔

"ہم مسلم اقلیت اپنا ایک مستقل و مضبوط و مستحکم وجود و تشخص رکھتے ہیں، رحم و کرم پر نہیں برابر برابر ہو کر جیتے ہیں اور رہتے ہیں۔ حقوق مانگ کر نہیں چھین کر لیتے ہیں۔ ریاستی حکومت ہو یا مرکزی حکومت، ہر ایک کی بگڑی بنانا اور سنوارنا ہمارے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ ابھی گزشتہ برس کی بات ہے، ہندوستان کے بعض شر پسند عناصر ریاست اتر پردیش کے ضلع فیض آباد کے قصبہ اجودھیا میں بابری مسجد کی شہادت کی غرض سے اکٹھا ہونا شروع ہوئے۔ ریاستی حکومت نے نتیجۃً پورے صوبے میں ہائی الرٹ کر دیا اور فیض آباد و اجودھیا کو پولیس چھاؤنی میں تبدیل کر دیا تاکہ کسی طرح بھی کوئی حادثہ نہ ہو سکے۔ پھر چور دروازے سے کافی تعداد میں شر پسند جمع ہو ہی گئے، ایسے عالم میں یوپی وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو نے پولیس عملے کو حکم نامہ جاری کیا کہ اگر ایک آدمی بھی پولیس ناکہ بندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے "بابری مسجد" کو نقصان پہنچانے کے مقصد سے مسجد کے قریب آئے یا اسے ہاتھ لگائے تو بلا جھجھک فوراً گولیوں کی بارش کر دینا، چناں چہ جس مقررہ وقت میں وہ لوگ بابری مسجد کی طرف جتھا لے کر بڑھے اور نعوذ باللہ اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہوئے پولیس نے بندوقوں کا دہانہ کھول دیا اور درجنوں لوگ ہلاک ہوئے اور پچاسوں زخمی۔ اس پولیس کارروائی کے بعد ہی پورا اجودھیا شر پسند عناصر سے خالی ہو گیا۔ دیکھا آپ نے ؟؟؟ شر پسند عناصر بھی ہندو، گولیوں سے بھون ڈالنے کا اعلان کرنے والا بھی ہندو، گولیاں چلانے والے بھی ہندو۔"

حضرت مصباحی صاحب قبلہ نے اپنے ملک سے محبت کرنے اور پاکستان جیسے ملک میں اپنے ملک کا دفاع کرنے اور ایک ذمہ دار و معزز شہری ہونے کا کس طرح ثبوت دیا۔ اس لیے چاہیے کہ ہم تمام مسلمانانِ ہند عموماً اور علما و فضلاے دین و پیران و مشائخ ملت خصوصاً او کھلا کو توالی کے اس اشتعال انگیز کارروائی کا سختی سے نوٹس لیں۔ اور قدمے سخنے احتجاج میں حصہ لیتے ہوئے اپنی مذہبی و ملی اور جماعتی بیداری کا ثبوت دیں۔

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

فقط۔ خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی، خانقاہ رحمان پور کٹیہار

یہ سب در حقیقت حافظ ملت کا فیضان ہے

مکرمی! ....سلام مسنون

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ اشرفیہ تواتر کے ساتھ مل رہا ہے۔ شکر گزار ہوں۔ آپ کا تحریر کردہ اداریہ عصری منظر ناموں اور حقائق کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جملہ مشمولات فقہیات، نظریات، اسلامیات، تاریخیات اور شخصیات اپنی اپنی جگہ وقیع اور جامع ہیں۔ بزمِ دانش کے تحت لو جہاد حقیقت کیا ہے، فکر و نظر کی جلوہ گری ہے۔ عصر حاضر میں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ادبیات میں کافی تنوع ہے۔ یہ سب در حقیقت فیضان حافظ ملت ہے۔ آپ کی شخصیت سنجیدہ اور بامقصد صحافت کی ایک علامت ہے۔ اشرفیہ کا بہر حال انتظار رہتا ہے۔ فقط

نیاز مند۔ آفاق فاخری۔ جلال پور، امبیڈکر نگر (یوپی)

ماہ نامہ اشرفیہ روز افزوں ترقیوں کی طرف گام زن ہے

مکرمی! ....سلام مسنون

ماہنامہ اشرفیہ روز افزوں ترقیوں کی طرف گامزن ہے اور آپ کی ادارت میں یہ رسالہ مسلک اہل سنت مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی خوب خوب اشاعت کر رہا ہے۔ یقیناً جامعہ اشرفیہ کا جو مشن ہے۔ زمین کے اوپر کام زمین کے نیچے آرام، اسی منہج پر یہ مسلسل کام کر رہا ہے اور اس ادارے کی ترقی کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ حضور سربراہ اعلیٰ صاحب قبلہ کو اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے طفیل صحت و تندرستی اور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا حوصلہ عطا فرمائے تاکہ وہ سنیت کی اشاعت کے لیے جہد مسلسل فرماتے رہیں۔

(قاری) نور الہدیٰ مصباحی

استاذ، مدرسہ عربیہ سعید العلوم یکما ڈپو، لکشمی پور مہراج گنج

خیر و خبر

رام پور میں دادامیاں کے مزار کا انہدام

شہر رامپور (مغربی یوپی) کے شمال میں جوہر یونی ورسٹی روڈ پر تاریخی بے نظیر باغ کے کنارے واقع مزار دادامیاں جو ۷ جنوری ۲۰۱۵ء بروز بدھ کے تڑکے سحر یارات دو ڈھائی بجے میں غالباً جے سی بی کے ذریعے نہایت پُر اسرار طریقے سے شہید کر دیا گیا، اُس پر نہ صرف ضلع بھر میں تشویش اور غم و غصہ ہے بلکہ پورا مسئلہ ایک فتنے کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے۔ انہدامِ مزار کی صبح اولاً لوگوں کو یہ دکھ بھری خبر ملی کہ کسی نے راتوں رات مزار شہید کر دیا، مزید مفتی سید شاہد علی رضوی رامپوری نے یہ کہ کر ایک نئی بحث کا آغاز کر دیا کہ مزار کے اصلی ہونے کا شرعی ثبوت پیش کیا جائے۔ مفتی صاحب کے اِس بیان سے لوگ مزید سکتے میں آ گئے۔ جس پر شہر کے کچھ بڑے سیاسی لوگوں نے سخت تنقیدیں بھی کیں، بلکہ اس بیان کے خلاف بعض مرادآبادی بریلوی علما تک میدان میں آ گئے، نتیجتاً مفتی صاحب نے ناقدین پر ایک دوسرے بیان سے پھر پلٹ وار کیا۔ آج حال یہ ہے کہ ہر دن کسی نہ کسی کا ایک غیر ضروری بیان اخبارات کی زینت بن رہا ہے۔

مفتی رام پوری کا جو بیان آیا وہ بعض پہلوؤں سے درست ہونے کے باوجود متعدّد پہلوؤں سے غیر ذمے دارانہ ہے۔ بیان میں یہ بات حق کہی گئی کہ فرضی مزار کی شریعت میں قطعاً گنجائش نہیں۔ یہ اپیل بھی درست ہے کہ شہر کے علما و مشائخ، عام اہلِ علم اور تاریخ و تذکروں پر گہری نظر رکھنے والے بزرگ حضرات دادا میاں کے مزار کے متعلق اپنی معلومات فراہم کریں تاکہ کسی قطعی رائے پر پہنچا جائے۔ لیکن ایک زمینی اور عملی سطح پر ذمے دار ہونے کی حیثیت سے صرف اِس قدر اخباری بیان پر اکتفا کر لینا ذمے داری سے پہلوتہی کرنے جیسا ہے کہ— ”میں نے تقریباً سبھی سے ایک ہی بات کہی کہ کسی معاملے میں حکمِ شرع نافذ کرنے کے لیے ثبوتِ شرعی اور شہادتِ شرعی درکار ہے اور جب تک ثبوتِ شرعی اور شہادتِ شرعی کسی ”متنازع“ مسئلے میں موجود نہ تو اُس وقت تک اُس پر کوئی واضح حکمِ شرع نافذ نہیں کیا جا سکتا، دادامیاں کے مزار کی مسماری سے متعلق سوالات کرنے والے پہلے یہ بتائیں کہ وہ مزار اصلی ہے یا فرضی؟ اگر اصلی ہے تو اس کے ثبوت کے لیے شہادتِ شرعی چاہیے“

دراصل یہ موقع تھا کہ حضرت سید صاحب آگے بڑھ کر ضلع کے سنی عوام کی رہنمائی فرماتے، اولاً قبلِ تحقیق انہدامِ مزار کی شدید مذمت کرتے جو واجبی ذمے داری تھی، ثانیاً اُس کے اصلی یا فرضی ہونے کی تحقیق کی مہم اپنے ذمے لیتے، ثالثاً عقیدت مندوں سے ہی نہیں بلکہ صریحاً ہادمینِ مزار سے اخباری بیان میں یہ دریافت کرتے کہ وہ مزار کے فرضی ہونے پر ثبوت شرعی پیش کریں اور معلومات فراہمی کے بعد از روئے شرع ایک نتیجے پر پہنچ کر عقیدت مندوں اور معترضوں بلکہ عام لوگوں کو اُس سے باخبر کرتے۔ یعنی مسئلہ صرف حکمِ شرع واضح کرنے تک محدود نہیں تھا بلکہ مضطرب و حیران عوامِ اہلِ سنت کے نیک جذبات کی قدر اور شرعاً اُن کی بروقت رہنمائی تھی۔

ہمیں اِس اعتراف میں کچھ تردد نہیں کہ شہر رامپور کو زیادہ سے زیادہ خواندہ و خوب صورت بنانے کی مہم قابلِ تحسین ہے، ضلع میں بڑے پیمانے پر ناجائز قبضے ہٹے ہیں اور پکی حد بندی کر کے قبرستانوں نیز دیگر اراضیِ وقف کو تحفظ فراہم کیا گیا یا کیا جارہا ہے جو ایک بڑا کام ہے مگر ہر جگہ درست فکر و عمل ہی درست فکر و عمل ہے، نہ کہ غیر۔ فی الوقت ضلع کے لوگوں کے جو احساسات ہیں اُس کے پیشِ نظر ہم بہر حال یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ مزار دادامیاں کی مسماری کی کارروائی اپنی تکمیل کو پہنچی مگر سادہ دل بے سہارا سنی عوام ہکا بکا ہیں، اُنہیں نہیں پتا کہ مزار فرضی تھا یا اصلی، علما تک نے درست شرعی رہنمائی کرنے سے مجرمانہ گریز کیا جو باعثِ افسوس ہے۔

از: محمد ناصر مصباحی مجلس فکر اسلامی، حضرت پور، توپ خانہ، رامپور

اوڈیشا میں اسٹیٹ مائنارٹی کمیشن کے قیام کا مطالبہ

۱۷ر جنوری ۲۰۱۵ء کو سمبل پور ٹاؤن ہال میں اسٹیٹ حج کمیٹی اوڈیشا کی خصوصی میٹنگ منعقد ہوئی تھی، جس میں ایڈوکیٹ اور سیاسی رہنما محمد ممتاز (م: ۲۱ر اکتوبر ۲۰۱۴ء) جو جامع مسجد سمبل پور میں نماز کی حالت میں دل کا دورہ پڑنے پر اچانک رحلت فرما گئے۔ اسٹیٹ حج کمیٹی اور اوڈیشا بورڈ آف وقف کے ایڈوکیٹ محمد عالم حسین ساکن کٹک (م: ۲۰۱۴ء) کی وفات اور محسن ارشاد بیگم (جن کی وفات گذشتہ سال

اثنائے حج مکہ معظّمہ میں ہوگئی) کے لیے تعزیتی دعائیہ کے بعد ریاستی حج کمیٹی کی کارروائی ایجنڈے کے مطابق شروع ہوئی۔ جلسے کے دوران جناب الحاج عبدالمجید فیضی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ڈاکٹر قمر الدین خان سابق وائس چانسلر برہم پور یونیورسٹی کی تحریک پر کُل اوڈیشا مائنارٹی کمیونٹیز (اوڈیشا کی تمام اقلیتوں) کا مشترک اجلاس ۲۳؍ستمبر ۲۰۱۳ء کو کٹک میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں حکومت اوڈیشا سے ریاستی مائنارٹی کمیشن کے قیام کا مطالبہ کرنا مقصود تھا۔ اس اجتماع میں الحاج محمد عبد الصمد انور سابق پرنسپل، لالہ لاجپت رائے لا کالج، سمبل پور اور الحاج عبد المجید فیضی نمائندگان سمبل پور کی حیثیت سے شریک ہوئے) فیضی صاحب کا بیان شروع ہوتے ہی جناب ایوب خاں ایم ایل اے چیرمین اسٹیٹ حج کمیٹی اوڈیشا بھڑک اٹھے اور ڈاکٹر قمر الدین خاں کے خلاف بد زبانی اور یاوہ گوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اوڈیشا میں اسٹیٹ مائنارٹی کمیشن کی تشکیل ہرگز نہ ہونے دوں گا۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر قمر الدین خاں نے اوڈیشا اردو اکیڈمی کی تشکیل کٹک میں مولانا آزاد یونیورسٹی کی شاخ اور اقلیت کے لیے آئی ٹی کے قیام کی تحریک اور عملاً علمی، ادبی و ثقافتی سرگرمی میں تن من دھن سے شامل رہتے آئے ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ موصوف اسٹیٹ مائنارٹی کمیشن کے قیام کے سخت مخالف ہیں۔ اگر بی جے ڈی، آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست سیاسی جماعتوں کی طرف سے اس اہم ترین اقلیتی مطالبہ کی مخالفت ہوتی ہے تو اسے تعصب اور ہندوتوا کی تحریک اور اقلیتی دشمن کی ایک کڑی سمجھا جاسکتا ہے۔

از: مرغوب احمد خان، محلہ گینگٹی، دھنکوڑا، سمبل پور، اوڈیشا۔

تنظیم عاشقان اولیا کا جامعہ اشرفیہ میں قراءت کا مقابلہ

تنظیم عاشقانِ اولیا کے زیر اہتمام جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی عزیز المساجد میں قراءت مقابلہ کا انعقاد کیا گیا جس میں طلبہ نے اپنی اپنی علمی لیاقت اور لحن کا مظاہرہ کر کے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ مقابلۂ قراءت میں شرکت کرنے والے طلبہ میں محمد اویس جمشید پور، محمد آزاد عالم مدھوبنی، محمد اشتیاق کولکاتا، تحسین اشرف سیتا مڑھی، کمال الدین پلاموں، محمد سلمان سنت کبیر نگر، محمد مصطفےٰ رضا بلرام پور، محمد عبد السلام امبیڈکر نگر، محمد یعقوب سنت کبیر نگر، الطاف شیخ ممبئی اور مقبول احمد راجستھان قابلِ ذکر ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ مقابلہ میں شریک ہونے کے لیے تقریباً ۴۰؍ طلبہ نے ٹیسٹ دیا تھا مگر ٹیسٹ میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو ہی اس مقابلہ میں شرکت کی اجازت دی گئی۔ اخیر میں مقابلہ میں اول مقام حاصل کرنے والے محمد اویس رضا، دوم قاری اشتیاق عالم اور سوم قاری آزاد عالم کو خصوصی اور بقیہ جملہ شرکا کو تشجیعی انعام سے نوازا گیا۔ مقابلہ میں قاری ابوالحسن مصباحی، قاری جمیل احمد اور قاری محمد رضا کا انتخاب ممتحن کی حیثیت سے کیا گیا تھا۔ اس موقع پر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے قرآن عظیم اور دیگر آسمانی صحائف کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ توریت، زبور، انجیل اور دیگر صحائف یہ بلا شبہہ آسمانی کتابیں ہیں مگر ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان امتوں کے ذمہ رکھی تھی جن انبیاے کرام پر یہ کتابیں اور دیگر صحائف نازل ہوئے اس لیے آج وہ دنیا میں موجود تو ہیں مگر ان امتوں نے حفاظت کی وہ ذمہ داری پوری نہیں کی جو اللہ نے ان پر ڈالی تھی۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر قرآن عظیم نازل ہوا تو اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ مولانا مصباحی نے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ حافظ، مولوی، عالم، فاضل، مفتی اور محقق تو بن جاتے ہیں مگر قرآن عظیم جو اللہ کی عظیم ترین کتاب ہے جس کا نماز میں صحیح پڑھنا بھی ضروری ہے اس کی جانب اتنی توجہ نہیں دی جاتی جو اس کا حق ہے۔ اس لیے آپ سے گذارش ہے کہ قرآن عظیم کو تجوید کے ساتھ صحیح پڑھنے کے لیے محنت کیجیے، مولانا نے مزید فرمایا کہ آج دنیا میں بہت سے فرقے موجود ہیں جو دیگر شعبوں سے بڑھ کر قرآن عظیم کی صحیح قراءت پر بھی توجہ دیتے ہیں، حالاں کہ وہ اسلام و سنیت سے خارج ہیں۔ اس وقت دنیا میں ہم یعنی اہلِ سنت و جماعت ہی حق ہیں اور قرآن پڑھنے اور پڑھانے کا حق بھی صرف ہمیں حاصل ہے، اس لیے ہمیں قرآن عظیم پڑھنے کی جانب بھر پور توجہ دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن عظیم کی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔

پروگرام کی صدارت مولانا نعیم الدین عزیزی اور نظامت مولانا غلام سرور ویشالوی نے کی۔ اس موقع پر مولانا عبد المبین نعمانی، مفتی زاہد علی سلامی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر مصباحی، مولانا اسلام اللہ عزیزی، مولانا ہارون مصباحی اور ماسٹر محمد فیاض عزیزی وغیرہ کے علاوہ دیگر اساتذہ بھی موجود تھے اور طلبہ کی تو کثیر

تعداد تھی۔

یش بھارتی ایوارڈ دیے جانے پر بیکل اتساہی کو مبارک باد

اترپردیش حکومت کے وزیراعلیٰ اکھلیش یادو اور سماج وادی پارٹی کے قومی سربراہ ملائم سنگھ یادو صوبہ کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنے طور پر مختلف انداز سے اہم کام کر رہے ہیں۔ ۵۶/ شخصیات کو یش بھارتی ایوارڈ دے کر یوپی حکومت نے بڑا اہم کام کیا ہے۔ مذکورہ باتیں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیر اہتمام منعقدہ میٹنگ میں تنظیم کے جنرل سکریٹری مولانا مبارک حسین مصباحی نے کہیں۔ میٹنگ میں معروف شاعر بیکل اتساہی کو خاص طور پر مبارک باد پیش کی گئی۔ مولانا نے مزید کہا کہ حضرت بیکل اتساہی لودھی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ماضی میں وہ راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ وہ بلند فکر اور اعلیٰ کارکردگی کے پیکر ہیں، انھوں نے نعتیں اور مناقب مشائخ بھی لکھے ہیں مگر ان کی شہرت ہندی گیتوں کے حوالے سے اہم ہے، وہ اس سے قبل بھی متعدد ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ مولانا نعیم الدین عزیزی نے کہا کہ حضرت بیکل اتساہی اپنے مخصوص وضع قطع کے لیے بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ کی کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا کہ آپ ہمارے داداجان جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت قدس سرہ کے مرید خاص اور حد درجہ شیدائی ہیں، اسی نسبت سے وہ ہم سے بھی بے پناہ محبت فرماتے ہیں۔ حضرت بیکل اتساہی کے اس ایوارڈ پر ہم دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

اس اجلاس میں مختلف علما نے تمام ایوارڈ یافتگان کو مبارک باد پیش کی۔ اس موقع پر مولانا عبدالحق رضوی، مولانا مسعود احمد برکاتی، مولانا زاہد علی سلامی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا طفیل مصباحی، مولانا عبداللہ مصباحی، مولانا شہباز عالم مصباحی، مولانا خالد ایوب مصباحی وغیرہ خاص طور سے موجود تھے۔

آل ممبئ تحریری وتقریری مقابلہ

ممبئ عظمیٰ کے دارالعلوم مخدومیہ اوشیورہ جوگیشوری ویسٹ ممبئ ۔۱۰۲، کے طلبہ کی تنظیم "بزم فیضان رضا" کی جانب سے ساتواں آل ممبئ تحریری و تقریری مقابلہ بنام "اکیسواں جشن امام احمد رضا" ۲۱ فروری ۲۰۱۵ء منعقد ہوا۔ جس میں ممبئ اور تھانہ ضلع کے مختلف مدارس کے کل ۲۷ طلبہ نے شرکت کی۔

اس اہم اجلاس کو چار سیشن میں رکھا گیا۔ پہلے سیشن کا آغاز صبح ۸:۳۰/ بجے تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اس کے بعد شرکائے تحریری مقابلہ نے اپنے مقالوں کا خلاصہ پیش کیا۔ پہلا سیشن ۱۲:۴۵/ بجے پانچ طلبہ کی تقریروں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ دوسرا سیشن بعد نماز ظہر ۲:۱۵/ بجے سے شروع ہوا جو ۵:۱۵/ بجے عصر کی اذان تک جاری رہا۔ اس سیشن میں باقی شرکائے تقریری مقابلہ کی تقریریں ہوئیں۔ بعد نماز عصر ۵:۴۵/ بجے تیسرے سیشن کا آغاز ہوا۔ جس میں پہلے اور دوسرے سیشن کے بعد بچے ہوئے شرکائے مقابلہ نے تقریریں کیں۔ بعد نماز مغرب تا ۱۰/ بجے طلبائے مخدومیہ اور دوسرے اداروں کے طلبہ نے اپنے طور پر قرأت، نعتیں اور تقریریں پیش کیں۔ مقرر خصوصی علامہ مسعود احمد مصباحی برکاتی کا اصلاح احوال کے حوالے سے پر مغز بیان ہوا۔

تحریری مقابلے کے لیے درج ذیل عناوین منتخب کئے گئے تھے:

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجدیدی کارنامے۔ ۲۔ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی خدمات ۳۔ دین میں فقہ کی اہمیت ۴۔ مسلمان اور اسلامی تہذیب ۵۔ عصر حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کی افادیت ۶۔ بدمذہبیت کا بڑھتا ہوا سیلاب اور ہماری ذمہ داریاں۔

تقریری مقابلے کے لیے مندرجہ ذیل عناوین منتخب کیے گئے تھے:

۱۔ توحید اور اس کے تقاضے۔ ۲۔ اسلام امن عالم کا داعی۔ ۳۔ منشیات کے استعمال کا بھیانک انجام۔ ۴۔ اسلامی سماج میں جہیز کا بڑھتا ہوا رجحان۔ ۵۔ اسلام میں پردے کی اہمیت۔ ۶۔ اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داریاں۔

تحریری مقابلے کے لیے جج کی حیثیت سے حضرت مولانا وارث جمال مصباحی صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئ، تقریری مقابلے کے لیے فیصل کی حیثیت سے حضرت مفتی عبدالمجید مصباحی خطیب وامام تیلی گلی مسجد اندھیری ایسٹ ممبئ اور مقرر خصوصی کی حیثیت سے حضرت علامہ و مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی، شریک اجلاس ہوئے۔

از: محمد ارشاد احمد مصباحی استاذ دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری

☆☆☆☆